ماہنامہ
دخترانِ اسلام
لاہور
جولائی 2018ء

شہر اعتکاف 2018ء
خصوصی رپورٹ

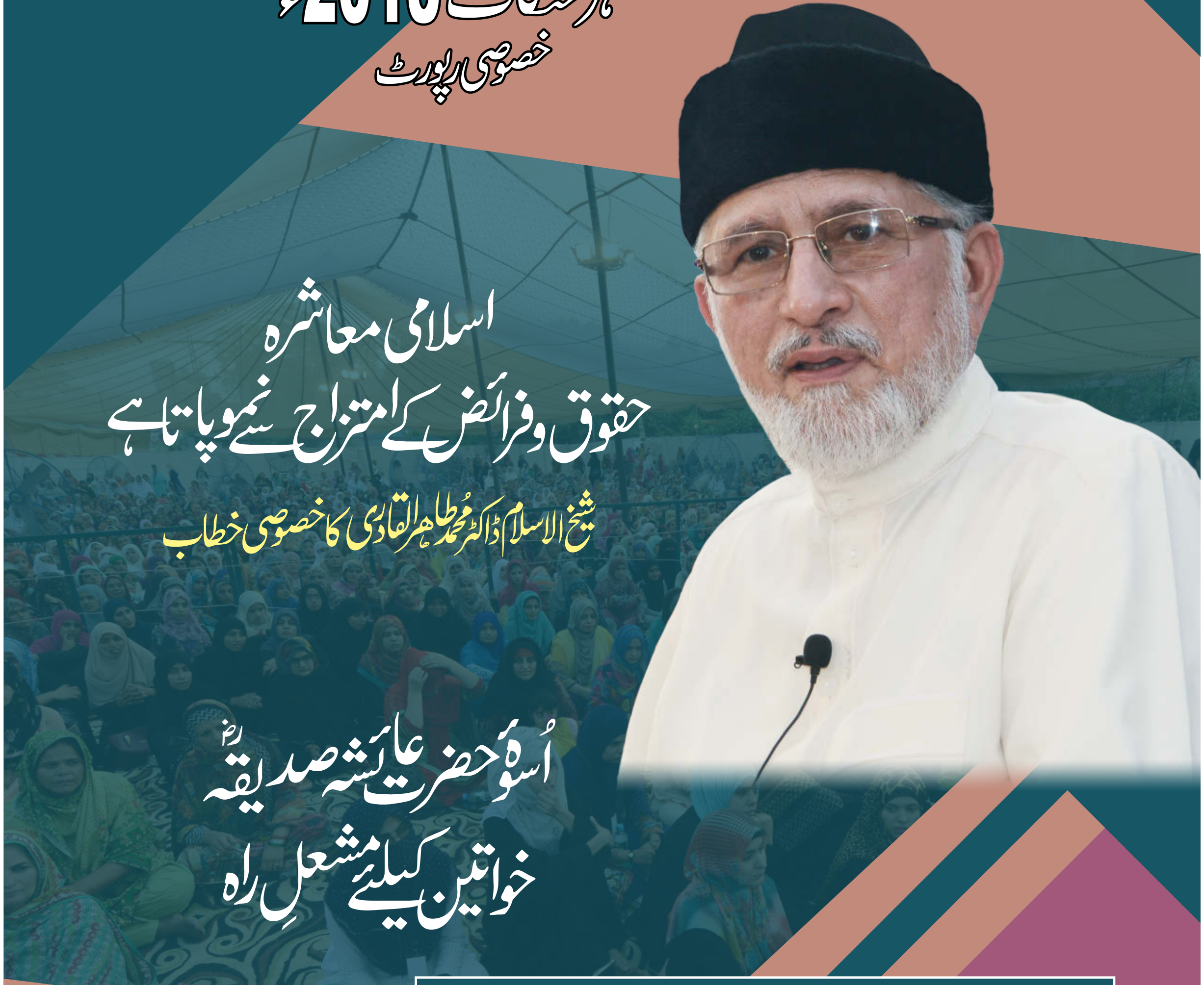

اسلامی معاشرہ
حقوق و فرائض کے امتزاج سے نمو پاتا ہے
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

اسوۂ حضرت عائشہ صدیقہؓ
خواتین کیلئے مشعلِ راہ

اسلام میں جزا و سزا کا تصور و فلسفہ

مذہب۔ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت

ویمن شہرِ اعتکاف 2018ء کی تصویری جھلکیاں

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 25 شمارہ: 7 شوال ۱۴۳۹ھ - ذوالقعدۃ / جولائی 2018ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر
اُم حبیبہ

ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت

نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ اقبال، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز، مسز حلیمہ سعدیہ
افنان بابر، مسز رافعہ علی

رائٹرز فورم

مسز راضیہ نوید، آسیہ سیف
ہانیہ ملک، ہادیہ ثاقب، سمیعہ اسلام
مومنہ ملک، جویریہ سحرش

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام —— فوٹوگرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرس

اداریہ

(پاکستان عوامی تحریک کا دھاندلی زدہ انتخابی عمل کا حصہ نہ بننے کا اعلان) 5

فرحتِ الاسلام

اسلامی معاشرہ حقوق و فرائض کے امتزاج سے نمو پاتا ہے — مرتبہ: ام حبیبہ 6

منتخب مضامین

اسلام میں جزا و سزا کا تصور و فلسفہ — ڈاکٹر نعیم انور نعمانی 9
اُسوۂ حضرت عائشہ صدیقہؓ خواتین کیلئے مشعلِ راہ — نازیہ عبدالستار 14
مذہب۔ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت — ام حبیبہ 17
آثارِ قلم (توسل، قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ) — مرتبہ: ماریہ عروج 20
عورت کو تحفظ فراہم کرنے والے قوانین کہاں ہیں؟ — ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ 24
شعر اظہارِ خیال کا منظوم ابلاغ ہے — سمیعہ اسلام 26

گلدستہ

مرتبہ: ادیبہ شہزادی 28

تحریک منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام شہرِ اعتکاف 2018ء 30

بدلِ اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ: 15 ڈالر — مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر

ترسیلِ زر کا پتہ: منی آرڈر/چیک/ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/35 روپے
سالانہ خریداری -/350 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور
فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-5168184

Visit us on: www.minhajsisters.com E-mail:sisters@minhaj.org

﴿فرمان الٰہی﴾

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ. وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ. (حم السجدة، ۳۲:۱۷.۱۹)

”اور جو قومِ ثمود تھی، سو ہم نے انہیں راہِ ہدایت دکھائی تو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنا ہی پسند کیا تو انہیں ذِلّت کے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا اُن اعمال کے بدلے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات بخشی جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔ اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی طرف جمع کر کے لایا جائے گا پھر انہیں روک روک کر (اور ہانک کر) چلایا جائے گا“۔

(ترجمہ عرفان القرآن)

﴿فرمان نبوی ﷺ﴾

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ص قَالَ: مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ لَقَدْ أَعَدَّ اللهُ لِلَّذِيْنَ تَتَجَافَى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ مَا لَمْ تَرَ عَيْنٌ، وَلَمْ تَسْمَعْ أُذُنٌ وَ لَمْ يَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، وَلَا يَعْلَمُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ قَالَ: وَنَحْنُ نَقْرَؤُهَا: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○﴾ [السجدة، ۳۲:۱۷]. رَوَاهُ الْحَاكِمُ.

”حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تہجد گزاروں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں، کسی انسان کے دل میں ان کا خیال (تک) نہیں آیا، نہ ہی انہیں کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی مرسل۔ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ہم بھی قرآن پاک میں اس (مفہوم) کے ہم معنی آیت تلاوت کرتے ہیں: ”سو کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان (اعمالِ صالحہ) کا بدلہ ہوگا جو وہ کرتے رہے تھے۔“

(ماخوذ المنہاج السوی من الحدیث النبوی، ص۴۵۷)

حمد باری تعالیٰ

شکر بندوں سے ادا کیسے ہو رحمان تیرا
منہ سے جو سانس نکلتی ہے وہ احساس تیرا

نعمتیں اتنی عطا کیں کہ نہیں جن کا شمار
فضل بندوں پہ ہر اک گام ہے یزداں تیرا

کہہ کے لا تقنطو مایوس کو مسرور کیا
بھی اک فضل کا انداز ہے سجاں تیرا

جن و انسان و ملک وشمس و قمر و شجر و حجر
نور ہی نور ہے ہر شے میں نمایاں تیرا!

ذرہ ذرہ تیری توحید کے گن گاتا ہے
پتہ پتہ ہے ہمہ وقت ثناء خواں تیرا

تیری صناعی و حکمت تری رزاقی کا
تذکرہ ہے لب مخلوق پہ ہر آں تیرا

ساری مخلوق میں انسان کو ممتاز کیا
ابن آدم پہ کرمِ خاص ہے رحمان تیرا

خالقِ کل ہے تو لاریب تیرا فضل و کرم
کافر و مشرک و مومن پہ ہے یکساں تیرا

بگڑی بن جائے بھرم حشر میں رہ جائے گا
فضل ہوجائے جو رب سرِ میزاں تیرا

کر خطا معاف سکندر کی کہ ستار ہے تو
اپنے جرموں سے یہ بندہ ہے پشیماں تیرا

(سکندر لکھنوی)

نعت رسول مقبول ﷺ

جیون کو چمک دیتا ہے دربارِ مدینہ
بستا ہے نگاہوں میں چمن زار مدینہ

ملتی ہے خوشی روز مرے دل کے نگر کو
انوار سے بھر دیتا ہے گلزارِ مدینہ

اے کاش مری آس بھی ہوجائے یہ پوری
یا رب تُو دکھا دے مجھے دلدارِ مدینہ

کیا خوب درخشاں ہیں ہدایت کے مناظر
کیا خوب درخشندہ ہے سنسارِ مدینہ

بستی ہیں مری سوچ میں طیبہ کی بہاریں
بستا ہے مرے قلب میں کُہسارِ مدینہ

ہر لحظہ مری سوچ کے منظر میں رواں ہے
کب دور مرے دل سے ہے مہکارِ مدینہ

جس لحظہ بھی نکلے گی مری جان بدن سے
انجم مجھے ہوجائے گا دیدارِ مدینہ

(ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم)

خواب

علامہ اقبالؒ

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز میری خاک
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک

(کلیاتِ اقبال، ص:٦٥٦)

تعبیر

قائداعظمؒ

ترقی کے لیے بلاشبہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے مگر قومی ترقی سو فیصد پیسوں کی محتاج بھی نہیں اس کا انحصار انسانی کوشش ومحنت پر ہوتا ہے

(دلیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح 26 ستمبر 1947ء)

اخوت و محبت ایک رشتہ ہے اور اس رشتہ کی بنیاد جس سے یہ رشتہ اللہ کے ہاں مقبول بنتا ہے وہ اللہ کی محبت ہے۔ یعنی وہ لوگ ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ صحبت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان بھاگ جاتا ہے اور اللہ کی برکات و رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اگرچہ چند افراد کے درمیان رشتہ مبنی برخیر اور صحبت صالحہ ہے تو یہ خلوت وعزلت سے بہتر ہے۔ اس اخوت کے نفع بعد از مرگ بھی جاری رہتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے لیے ایک دوسرے کے بھائی اور جلیس بن گئے۔ تحریک منہاج القرآن کی رفاقت برائے اخوت ہے۔ اگر رفاقت کے باوجود اخوت قائم نہ ہو تو پھر رفاقت، رفاقت نہیں ہے۔

(شہرِ اعتکاف 2009ء میں خطاب)

تکمیل

شیخ الاسلام مدظلہ

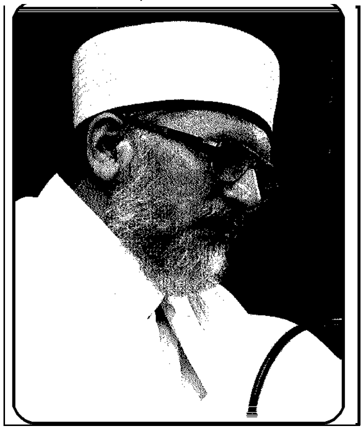

اداریہ

پاکستان عوامی تحریک کا دھاندلی زدہ انتخابی عمل کا حصہ نہ بننے کا اعلان

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مرکزی سیکرٹریٹ میں پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دھاندلی، کرپشن اور ریاست کے خلاف اعلان جنگ کرنے والے جرائم پیشہ عناصر کو تحفظ دینے والے اس نظام انتخاب کا حصہ نہیں بنیں گے ،عوامی تحریک حصہ لے گی اور نہ کسی عہدیدار کو ٹکٹ جاری کرے گی، انہوں نے پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ جن عہدیداروں نے کاغذات جمع کروائے وہ واپس لے لیں، جیتنے والے گھوڑے ہی ناگزیر ہیں تو پھر دھرنوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نظام عوام کا نہیں ''الیکٹیبلز'' کا ہے، الیکشن کے بعد شر کے ساتھ مایوسی بھی بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، چور، ڈاکو، لٹیرے اور جرائم پیشہ عناصر اور ان کے سرپرست مختلف رنگوں کے ساتھ اسمبلی پہنچیں گے۔ یہ نظام پڑھے لکھے مڈل کلاس کے شرفاء کو قبول نہیں کر رہا، ہم اپنے موقف اور نظریے سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے، کرپشن ہوائی جہاز اور احتساب بیل گاڑی پر سوار ہے، انہوں نے کہا کہ کرپشن اور مختلف سکینڈلز پر نوٹس تو بہت ہوئے مگر فیصلے نہیں آئے، اصغر خان کیس بھی کئی بار میڈیا کی زینت بنا، سوئس بنکوں میں پڑی دولت واپس لانے کے نوٹس بھی لیے گئے، قرضہ معاف کروانے والوں کی لسٹیں بھی کئی بار مانگی گئیں، بیرون ملک بنک اکاؤنٹس اور املاک پر بھی نوٹس ہوئے مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا، انہوں نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ اڑھائی ماہ قبل چیف جسٹس پاکستان نے کہا تھا سانحہ ماڈل ٹاؤن کی لاہور ہائیکورٹ میں زیرسماعت اپیلوں کے فیصلے 15 دنوں کے اندر کیے جائیں، آج تاریخ بھی نہیں مل رہی ڈاکٹر طاہرالقادری نے کہا کہ انتخابی اصلاحات کی پارلیمانی پارٹی نے بھی قوم سے اجتماعی دھوکہ کیا۔ اس کمیٹی میں داڑھی والی اور بغیر داڑھی والی پارٹیاں بھی شامل تھیں، سب نے مل کر کاغذات نامزدگی سے آرٹیکل 63,62 کے مطابق اہلیت کے متعلق جملہ کالم ختم کیے اس کے ساتھ ختم نبوت کا حلف نامہ بھی تبدیل کیا، بند کمرے میں ہونے والے اس پارلیمانی کمیٹی کے اجلاسوں میں کچھ اور ڈسکس ہوتا رہا جبکہ ٹی وی چینل پر آ کر کچھ اور کہا جاتا رہا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس دھن، دھونس، دھاندلی، کرپشن زدہ نظام کا حصہ نہیں بنیں گے۔ عوامی تحریک اصلاحات اور تبدیلی کی سب سے بڑی محرک ہے، سربراہ عوامی تحریک نے کہا کہ میں کروڑوں عوام کے دلوں کی دبی ہوئی آواز ہوں اور ہم اپنا یہ فریضہ آخری سانس تک انجام دیتے رہیں گے، انہوں نے کہا کہ دسمبر 2012 ء میں سیاست نہیں ریاست بچاؤ کی بات کی، لانگ مارچ کیا، قوم کو آرٹیکل 63,62 کا سبق پڑھایا، عوامی شعور بیدار کیا، گزشتہ ایک سال سے احتساب کے حوالے سے کچھ شور اٹھا مگر فیصلہ کوئی نہیں آیا اور اب احتساب میں سنجیدگی بھی نظر نہیں آ رہی، کرپشن کے بعض کیسز میں حتمی دلائل بھی ہو چکے مگر فیصلے رکے ہوئے ہیں، اب بھی ایک ہی موقف ہے کہ اصلاحات، احتساب اور پھر انتخاب، انہوں نے کہا کہ ایک ہزار سے زائد قومی وصوبائی اسمبلی کی نشستوں پر 21 ہزار سے زائد افراد نے کاغذات جمع کروائے ،ایف بی آر، سٹیٹ بنک، ایف آئی اے، نادرا کے ذرائع سے رپورٹس چھپ رہی ہیں کہ جن 27 سو امیدواروں کے کاغذات منظور ہوئے ان پر قتل، کرپشن، بھتہ خوری، منی لانڈرنگ، قرض خوری، ریپ، انسانی سمگلنگ سمیت اخلاقی نوعیت کے سنگین الزامات ہیں، سانحہ ماڈل ٹاؤن کے قتل عام میں شریف برادران کو کلین چٹیں دینے والے پولیس افسر ''شفاف الیکشن'' کیلئے لاہور میں تعینات کر دیئے گئے، کارکنان کو تفصیلی گائیڈ لائن دے رہے ہیں، جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں مگر اس جمہوریت پر جو عوام اور ریاست کے مفاد کی محافظ ہو، یہ جمہوریت چوروں، ڈاکوؤں کے مفادات کی محافظ ہے۔ سربراہ عوامی تحریک نے پریس کانفرنس میں اس نظام کا کھوکھلا پن ایک بار پھر قوم کے سامنے رکھ دیا۔ ''نوٹا'' کا مطلب تھا کہ بیلٹ پیپر میں ایک خانہ شامل کیا جائے کہ اگر ووٹر کسی بھی امیدوار سے مطمئن نہیں تو وہ ''نوٹا'' والے خانے میں سٹیمپ لگا دے۔ اگر الیکشن کمیشن کی اس تجویز کو منظور کر لیا جاتا تو امیدواروں کو اپنی اصل حقیقت اور مقبولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے (ایڈیٹر: ام حبیبہ اسماعیل)

فکرِ شیخ الاسلام

اسلامی معاشرہ حقوق و فرائض کے امتزاج سے نمو پاتا ہے

ولایت کی ابتداء حقوق اللہ کی طرف سے نہیں حقوق العباد کی طرف سے ہوتی ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا حقوق و فرائض کے حوالے سے فکر انگیز خطاب

مرتب: ام حبیبہ

''اسلام میں احکام، فرائض اور واجبات کے ساتھ حقوق پر بھی خاص زور دیا گیا ہے اسلامی معاشرہ حقوق و فرائض کے حسین امتزاج سے نمو پاتا ہے دین کی کل تعلیمات کا 10 فیصد مواد حقوق اللہ جبکہ 90% مواد حقوق العباد سے متعلق ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بندے کا اللہ کے ساتھ جو رشتہ ہے اسے قائم و برقرار رکھنا بہ نسبت بندے کا بندوں سے صحیح طرز پر رشتہ استوار رکھنے سے زیادہ آسان ہے۔ مثال کے طور پر اگر بندہ کی نیت ہو کہ وہ اللہ سے رشتہ استوار کرنے کا خواہشمند ہے تو اس کی نیت و ارادہ سے ہی اللہ تعالیٰ سے اس کا اچھا رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔ لیکن اس بندے کا اپنی تنظیم کے اندر اپنے کولیگز کے ساتھ جو رشتہ ہے اسے استوار کرنا مشکل ہے''۔

لہٰذا حقوق العباد میں بندے کا بندوں سے تعلق آتا ہے اور اس پر اس لیے اتنا زور دیا گیا ہے کہ یہ مشکل امر ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں اسی میں سارا کچھ ہے یہی ولایت کا بیج ہے اور ولایت کا جو راستہ ہے وہ اسی بیج سے شروع ہوتا ہے کہ آبندے کا دوسروں کے ساتھ تعلق کیسا ہے۔ بندے کا اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے تعلق استوار کرنا کس طرح مختلف ہے۔

بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار کرنا:

بندے کا اللہ سے تعلق بنانا کیسے آسان ہے کہ انسان اللہ سے تعلق قائم کرنے کے لیے اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق اس کے حکم کو سن کر اس کی اتباع کرتا ہے یہ تو رشتہ بنانے کا طریقہ ہے مگر یہ رشتہ خراب کیسے ہوتا ہے جب ہم بندگی کے تقاضوں کو توڑتے ہیں اس کی بات دھیان سے نہیں سنتے یا دل و دماغ سے مانتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے تو اللہ سے یہ تعلق بندگی ٹوٹ جاتا ہے اب جب بندہ محسوس کرے کہ اللہ سے اس کا رشتہ کمزور پڑ رہا ہے تو وہ تین کام کرے تو رشتہ چلتا رہتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اس کو احساس ہو کہ میں نے اللہ کے حکم کو توڑا ہے۔ ایسا کام کیا ہے جو وہ پسند نہیں کرتا یا اس کی نافرمانی کی ہے جب بندہ یہ محسوس کرے تو شرمندہ ہوجائے اس کو احساس ہو کہ میں نے غلطی کی ہے۔ احساس کے بعد دوسری چیز گناہ پر شرمندگی ہے جب بندہ شرمندہ ہوگا تو اللہ سے معافی مانگ لے گا۔ اب اس سارے عمل میں بندے کو کوئی مشقت نہیں کرنی پڑ رہی بس تین کام کئے گناہ کا احساس، شرمندگی اور توبہ یہ تو بندے کا عمل ہوگیا جواباً اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے کہ جونہی بندہ گناہ پر شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیتا ہے۔

اس بندے نے اب اللہ کی طرف سے کیا ہوتا ہے کہ وہ جونہی معافی مانگتا ہے معاف کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے معافی کے لیے عدد کی شرط نہیں رکھی کہ بندے نے دس بار توبہ کرلی اب میں معاف نہیں کروں گا یہ ہر بار توبہ کر کے مکر جاتا ہے، 70 بار توبہ کرلی اب معافی نہیں دوں گا اللہ نے یہ شرائط نہیں رکھیں بندہ جب بھی گناہ کر کے اسی

عمل کو دہراتا ہے جس کا پہلے ذکر کیا گیا اللہ ہر بار اسے معاف کرتا ہے چاہے بندہ زندگی میں سیکڑوں مرتبہ یہ عمل کرتا رہے بشرطیکہ اسے احساس ہو اور وہ سچے دل سے معافی مانگ لے۔

اس طرح اللہ کے ساتھ رشتہ بنانا اور برقرار رکھنا آسان ہے کہ بندے کو جھجک اور شرم نہیں ہوتی گناہ کے احساس میں شرمندہ ہونے میں اور اللہ سے معافی مانگنے میں اسے کوئی جھجک نہیں اور اللہ کو معاف کردینے میں ہر بار معاف کردینے میں کوئی رکاوٹ نہیں اس لیے اللہ کے ساتھ رشتہ استوار آسان ہے اور وہ لوگ جو اللہ کے بندے ہوجاتے ہیں ان کے اندر اللہ کا حیا آجاتا ہے پھر وہ یہ کوتاہی کرتے نہیں ہیں وہ بدرجہ گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں۔

بندے کا بندے سے تعلق:

اوپر بندے کا اللہ سے تعلق بیان ہوا لیکن بندے کا بندے سے تعلق مختلف نوعیت کا ہے مثلاً ایک تنظیم میں کوئی صدر، ناظمہ، ناظمہ دعوت، ناظمہ رفاقت، ناظمہ تنظیمات ہوتیں ہے یا کوئی دوسرا شعبہ ہو جیسے مردوں کی تنظیم MSM ہے یہ سارے تنظیمی ڈھانچے ہوتے ہیں جن میں آپس میں مختلف رشتے ہوتے ہیں جیسے کوئی سینئر ذمہ داران ہیں اور کوئی تنظیمات کا فرد ہے یا کارکنان یہ سب رشتے ہیں اب بندوں کا بندوں سے رشتہ و تعلق اس لیے مشکل ہوتا ہے کہ دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اور پھر اسے احساس نہیں ہوتا کہ میں نے حق تلفی کی ہے اس کو احساس نہیں ہوتا کہ میں نے کوئی زیادتی کی ہے۔ مثلاً تلخ بول دینا، سخت کلامی کرنا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، چھوٹے کے ساتھ زیادتی کرنا، سینئر کی بات نہ ماننا، کولیگ کی حق تلفی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہے وہ بنیادی جڑ جہاں سے بندوں کا رشتہ توڑ پھوڑ کا شکار ہوتا ہے۔

لہٰذا اس تعلق میں مشکل اس لیے آتی ہے کہ جب بندہ بندہ کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو اپنی غلطی کا اسے احساس نہیں ہوتا یہاں سے مسائل شروع ہوں گے ذہن جامد ہوجاتا ہے کہ آگے کیا کریں جب غلطی کرنے والے کو احساس ہی نہیں ہوتا اور اگر کوئی احساس دلائے تو اس سے بھی غصہ کرنا ہے لڑائی کرتا ہے اس کو بھی غلطی پر سمجھنا ہے یعنی ہمیشہ بندہ دوسرے کو ہی غلطی پر سمجھتا ہے اپنی غلطی کا ادراک ہی نہیں کرنا تو سمجھانا بھی فضول ہے۔

بندوں کے رشتوں میں یہ مسئلہ ہے کہ جب احساس نہیں ہوگا تو شرمندہ بھی نہیں ہوگا اور جب شرمندہ نہیں ہوگا تو دوسرے سے معافی بھی نہیں مانگے گا۔ یہاں سے خرابی شروع ہوجاتی ہے اب اس نے پھر کسی سے زیادتی کی اسے احساس نہیں ہوا پھر شرمندہ نہیں ہوا پھر معافی نہیں مانگی تو سیاہ نقطہ پڑتا رہا طبیعت میں سختی آتی گئی گویا نفرت کا بیج بودیا گیا۔ کیونکہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی اس کے دل میں نفرت، ملال، رنج، دکھ، غصہ آیا جو بڑھتے بڑھتے نفرت، عداوت، غیض وغضب تک جا پہنچا پھر یہ اثرات بڑھتے چلے جاتے ہیں کیونکہ بندہ جب بندے سے زیادتی کرتا ہے تو نہ اپنی غلطی کا احساس کرتا ہے نہ شرمندہ ہوتا ہے نہ معافی مانگتا ہے بلکہ ان سب چیزوں کو وہ سمجھتا ہی نہیں ہے اور معافی مانگنے میں حیا محسوس کرتا ہے۔ اپنی بے عزتی محسوس کرتا ہے جبکہ وہ اللہ سے معافی مانگنے میں بے عزتی محسوس نہیں کرتا۔ وہ رشتہ ایسا ہے جبکہ یہاں برابری کا تصور ہے کہ ہم ایک جیسے ہیں میں کیوں معافی مانگوں یہاں معافی مانگنے میں اس کی انا، اس کا نفس آڑے آجاتا ہے۔ اس میں ساس بہو کا رشتہ، نندوں کا، دیورانیوں کے رشتے، اعزاء و اقارب کے رشتے اور سہیلیوں، دوستوں اور سوسائٹی کے لوگوں کے رشتے آجاتے ہیں۔ تنظیم اور اداروں میں کولیگز کے سارے رشتے اس کے اندر آتے ہیں یہ حقوق العباد ہیں۔ اب ایک طرف تو بندہ زیادتی کا احساس نہیں کرتا دوسری طرف اگر وقت پر ایک بندے کو احساس ہو بھی جائے اور احساس کے ساتھ وہ شرمندہ ہوا اس نے معافی بھی مانگ لی تو دوسرے طرف جو اس کی بہن ہے، اس کی رشتہ دار، کولیگ یا دوست ہے وہ مجال ہے معاف کردے وہ معافی مانگ بھی لے تو دوسروں نے معاف نہیں کرنا۔ اب اللہ نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہیں سو مرتبہ معاف کیا ہر روز تم معافی مانگتے ہو۔ ہر روز ہی معاف کرتا جاؤں بلکہ جونہی بندے نے معافی مانگی اللہ نے معاف کردیا۔

بندہ ایسا نہیں کرتا اول تو معافی مانگنے والے نے معافی نہیں مانگی ہی نہیں اور اگر کبھی ایسا ہوگیا اور اس نے معافی مانگ لی تو دوسری طرف بھی بندہ ہے اس کا بھی اسی طرح نفس ہے اس نے معاف ہی نہیں کرنا منہ بنالینا ہے۔ آئیں بائیں شائیں کرے گا ٹال مٹول سے کام لے گا یا سوچے گا یہ ہر دفعہ معافی مانگ کے مکر جاتا ہے یہ منافق ہے یہ سوچ کر یا تو معاف نہیں کرے گا اگر کر بھی دیا تو زبان سے رسمی لفظ ادا کردے گا دل میں غصہ برقرار رہتا ہے جو مرتے دم تک نہیں جائے گا۔

اس سے انسانوں کے تعلقات خراب ہوتے ہیں جنہیں درست کرنا ہی اصل ریاضت اور مجاہدہ ہے۔ اس کے لیے دل کا کھلا ہونا نفس کا صاف ستھرا ہونا اور دلوں کا وسیع ہونا اور طبیعت کا خیر خواہ ہونا ضروری ہے اس پر انسان کو محنت کرنی چاہئے۔ یہ طریق اپنالیا جائے تو اور یہ خوبیاں اگر جمع کرلیں کہ نفس کسی کے بارے میں برائی نہ سوچے نہ کسی سے برائی کرے نہ کہے یعنی برائی کا سوچنا بہت نچلے درجے کی چیز ہے کہ بندہ ذہنی طور پر دوسرے کے لیے برائی سوچے اس سے ہلکے درجے کی صورت ہے کہ دوسرے کے ساتھ برائی کریں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ برائی دیکھیں ہی نہ یعنی کسی میں سو برائیاں بھی ہوں دوسرا اس سے بے نیاز ہوجائے وہ نظر ہی نہ رکھے۔ اگر ایسی آنکھیں انسان کی ہوجائیں تو کیا بات ہے اس کا کیا درجہ ہوجائے گا۔ جب یہ چیز ہوجائے تو انسان کا نفس اس چیز سے پاک ہوجاتا ہے۔ اس کے ساتھ دل میں وسعت وفراخی آجاتی ہے دل کھول جاتا ہے اور جب دل کھل جاتا ہے۔ ایک اور چیز جو اہم ہے وہ یہ کہ ہر ایک کے لیے بھلائی سوچیں۔ ہر ایک کے ساتھ بھلائی کریں اگر کسی کی اچھائی بیان کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تو چلو برائی نہ کہیں خاموش رہیں۔ دل میں بھی نہ سوچیں، زبان پر بھی نہ لائیں اور عمل میں بھی نہ لائیں۔ اگر یہ خوبیاں بندہ اپنے اندر جمع کرے تو ایک بیج بنتا ہے جس کا نام ولایت ہے۔ یعنی دوسروں کی برائیوں سے بے نیاز ہوجانے سے وہ تقویٰ حاصل ہوتا ہے جو انسان کے اندر ولایت کی بنیاد رکھ دیتا ہے اور بندہ ولایت کے درجہ میں داخل ہوجاتا ہے۔

غرض ولایت کی ابتداء حقوق اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی بندہ حقوق العباد کی طرف سے ہوتی ہے۔ حقوق اللہ میں فرائض و واجبات و وامر ونواہی میں کوتاہی نہ کرنا شامل ہیں یہ بنیادی چیزیں ہیں جو یہ تو ہر مومن ومسلمان کے لیے فرض ہیں۔ فرائض و واجبات کا تارک نہ ہونا اوامر ونواہی پر عمل میں کوتاہی نہ کرنا یہ مومن کی شرائط ہیں مگر اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جو محنت ہے وہ حقوق العباد پر ہے اسی سے اللہ کی ولایت کا راستہ کھلتا ہے۔ جب راستہ کھلتا ہے تو ولایت کے دو درجے ہیں۔ ایک چھوٹا درجہ اور ایک بڑا درجہ ہے۔

چھوٹا درجہ ولایت کا یہ ہے کہ بندہ ان خوبیوں کے ساتھ اللہ کے تمام احکام کی نگرانی کرتا ہے۔ بڑے درجے کا ولی وہ ہوتا ہے کہ اللہ اس بندے کے معاملات کی نگرانی کرتا ہے بندہ ہمہ وقت اللہ کے احکام کی نگرانی کرنے یہ ولایت صغریٰ ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اگر اللہ بندے کے معاملات کی نگرانی اپنے ذمہ لے تو اللہ اس کا نگران بن جائے یہ ولایت کبریٰ ہے۔ مگر دونوں صورتوں میں ابتداء فرائض و واجبات اور اوامر ونواہی کو پورا عمل پیرا ہوتے ہوئے ابتداء حقوق العباد کے حسن سے شروع ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت نے جنہیں یہ موقع دیا ہو کہ اس کے دین کی خدمت کررہے ہیں جیسے تحریک منہاج القرآن کے جملہ رفقاء و وابستگان یہ ایسا کام ہے کہ اس کے بارے میں سوچنا اس کے بارے میں بولنا کام کرنا حتی کہ میٹنگ تک کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ یہ کام اللہ اور رسولؐ کی خدمت اور دین کے احیاء وترویج کا ہے۔

مگر یہ اجر تب خراب ہوتا جب آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں لہذا ہمیں چاہئے کہ اس پر محنت کریں جب آپس کے تعلقات اچھے ہوں تو دل وسیع ہوجائے پھر کوئی بھی تنظیم ہو یا ادارہ ترقی پر گامزن ہوجاتا ہے یعنی حقوق العباد احسن انداز سے سرانجام دیئے جائیں تو دنیا میں بھی خیر ہوگی اور آخرت میں بھی اجر ملے گا۔ ان شاء اللہ

☆☆☆☆☆

اسلام میں جزا و سزا کا تصور و فلسفہ

انسان ارادہ خیر و ارادہ شر مجموعہ ہے، دونوں قوتیں باہم متصادم رہتی ہیں

اللہ کی رحمت ہو تو بندے کی چھوٹی سی نیکی بھی بخشش کا ذریعہ بن جاتی ہے

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

اللہ رب العزت نے انسان کی پیدائش کے ساتھ اس میں دو قوتیں خیر و شر کی بھی رکھ دیں اور ایک ایسا نظام وضع کردیا جس میں انسان کی ان قوتوں کے زیر اثر انجام پانے والے اعمال پر جزا و سزا کا تصور بھی رکھ دیا کہ عمل خیر پر جزا اور عمل شر پر سزا بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ. (ابراهيم، ۱۴: ۵۱)

’’تاکہ اللہ ہر شخص کو ان (اعمال) کا بدلہ دے دے جو اس نے کما رکھے ہیں۔ بے شک اللہ حساب میں جلدی فرمانے والا ہے‘‘۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ.

’’ہر شخص اُن (اَعمال) کے بدلے جو اُس نے کما رکھے ہیں گروی ہے‘‘۔ (المدثر، ۷۴: ۳۸)

قرآن میں عملِ خیر اور عملِ شر کا تصور:

انسان کی فطرت دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک اس میں ارادہ خیر پایا جاتا ہے اور دوسرا اس میں ارادہ شر پایا جاتا ہے اور ان دونوں قوتوں میں تصادم جاری رہتا ہے اور دونوں کی کشمکش بڑھتی رہتی ہے اگر انسان کے اندر ارادہ شر کی قوتیں غالب آجائیں تو انسان اسفل السافلین کے انجام تک جا پہنچا اور اگر اس میں ارادہ خیر کی قوتیں فائق و برتر اور غالب آجائیں تو ہر انسان، انسان مرتضیٰ بن جاتا ہے اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور ولقد کرمنا بنی آدم کا مستحق اور مصداق ٹھہراتا ہے اور افضلیت خلق کا تاج اس کے سر پر سجایا جاتا ہے۔ اسلام انسان کے اندر نیکی اور خیر کی قوتوں کو فروغ دینے کے لیے ایک ترغیب اور ایک تحریک پیدا کرتا ہے جبکہ برائی و شر سے متنفر کرتا ہے، گناہ و خطا سے دور لے جاتا ہے اور معصیت و نافرمانی سے کنارہ کش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام گناہ اور خطا سے نفرت کرتا ہے مگر خطا کار اور گناہگار سے نفرت نہیں کرتا۔ ظلم و استحصال سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے مگر مظلوم سے اظہار ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ ظالم و حاکم کے نظام ظلم سے نفرت کرتا ہے مگر محکوم رعایا کے لیے عدل و انصاف کی فراہمی کی کاوشوں کی حمایت کرتا ہے۔ جابر و ستم گر کے ظلم کو روکنے کی ترغیب دیتا ہے مگر مجبور و مقہور کے ساتھ اظہار یکجہتی کی تعلیم دیتا ہے۔ جرم سے نفرت کی صدا بلند کرتا ہے مگر مجرم سے اظہار ہمدردی اور خیر خواہی کی نصیحت کرتا ہے۔

گناہگاروں سے منفرد اندازِ تخاطب:

قرآن حکیم کا یہی واضح اسلوب ہے اور یہی قرآنی تعلیم ہے کہ گناہ اور جرم سے نفرت کی جائے مگر مجرم و گناہگار سے اظہار خیر کیا جائے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. (الزمر، ۳۹: ۵۳)

’’آپ فرما دیجیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا‘‘۔

اب آیت کریمہ میں کلمہ یعبادی قابل توجہ ہے یہ خطاب باری تعالیٰ کا ان بندوں سے ہے جنہوں نے اپنی جانوں پر گناہ اور خطا کا ظلم کیا ہے۔ اپنی جانوں کو تقویٰ و زہد اور نیکی و صالحیت اور علم و عمل کی راہ پر گامزن نہیں کیا بلکہ اپنی جانوں میں ظلم خطا اور گناہ و معصیت کا انتخاب کیا ہے۔ ایسے لوگ تو نافرمان ٹھہرے اور نافرمان عام طور پر قابل توجہ نہیں ہوتے، ان کی حکم سے نافرمانی اور سرتابی ان کو رب کی رحمت سے دور کرتی ہے اور نافرمان بندہ تو خود عام انسانوں کو اچھا نہیں لگتا چہ جائیکہ یہ کہ اللہ کا نافرمان ہو اور وہ اللہ کو کیسے اچھا لگے گا۔ مگر اللہ کا فضل کہتا ہے کہ وہ خطا کار اور گناہگار ہو کر بھی اللہ کی رحمت سے محروم نہ ہوگا اور باری تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں قرآن یہی تعلیم دے رہا ہے کہ ایسے لوگوں سے انداز تخاطب میں باری تعالیٰ مزید اپنائیت اور محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یاعباداللہ کہنے کے بجائے یعبادی کہتا ہے۔ اے لوگو! اے بندوں کی بجائے یوں فرمایا کہ اے میرے بندوں ان بندوں کو یائے متکلم کی طرف اضافت کر کے اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اے میرے بندوں، یہ خطاب نیکو کاروں سے نہیں اور پرہیزگاروں سے نہیں اور اطاعت گزاروں سے نہیں جن کو ممکن ہے کہ اپنی نیکی و بھلائی اور خیر و تقویٰ پر کوئی گھمنڈ ہو بلکہ اس خطاب کا روئے سخن صرف اور صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو گناہ و خطا کے بعد پریشان حال اور پشیمان جان ہیں۔ ان کے دل شکستہ ہوگئے ہیں اور یہ سوچتے رہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناراض کر دیا ہے اب معلوم نہیں کہ وہ ہماری بخشش و مغفرت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ یہ اپنی معصیت کوشی کی وجہ سے پریشان ہیں اور احسان جرم کی وجہ سے ڈرے و سہمے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے اندر ندامت اور شرمندگی محسوس کر رہے ہیں، ان کو احساس گناہ ستا رہا ہے کہ ان سے یہ گناہ کیونکر ہوا ہے۔

ایسے شکستہ دل لوگوں کو باری تعالیٰ یعبادی کہہ کر اپنی رحمت کی طرف دعوت دیتا ہے، یہ کلمات ان شکستہ دلوں

> **اسلام گناہ اور خطا سے نفرت کرتا ہے مگر خطا کار اور گناہگار سے نفرت نہیں کرتا۔ ظلم و استحصال سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے مگر مظلوم سے اظہار ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ ظالم و حاکم کے نظام ظلم سے نفرت کرتا ہے مگر محکوم رعایا کے لیے عدل و انصاف کی فراہمی کی کاوشوں کی حمایت کرتا ہے۔ جابر و ستم گر کے ظلم کو روکنے کی ترغیب دیتا ہے مگر مجبور و مقہور کے ساتھ اظہار یکجہتی کی تعلیم دیتا ہے۔ جرم سے نفرت کی صدا بلند کرتا ہے**

کے لیے سہارا ہیں۔ یہ الفاظ ان بندوں کے سارے اندیشہائے دور دراز کا خاتمہ کرتے ہیں اور ان کو رب کی رحمت کے قریب کرتے ہیں۔ یہ انداز خطاب ان میں چاہت اور اپنائیت پیدا کرتا ہے اور ان کی ڈھارس بندھاتا ہے، ان دکھیاروں کو اللہ کی رحمت کی نوید سناتا ہے۔ ان کلمات کے ساتھ ان کے اندر کی وحشت دور ہوتی ہے کہ ہم گناہگار اور خطا کار ہو کر بھی اللہ کی رحمت سے محروم نہیں ہیں۔ ان بندوں کو محبت بھرا پیغام دیا ہے کہ الذین اسرفوا علی انفسھم تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم کسی بھی صورت میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ تم اللہ کی رحمت طلب کرو اس کی رحمت کے طالب بنو، یہ رحمت الٰہی تم کو مل کر رہے گی اگر تم اس کے سچے طالب بن جاؤ۔ اس لیے کہ

رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید

اس کی رحمت جب اپنے بندوں پر مہربان ہوتی ہے تو ان کو ایک چھوٹی سی نیکی پر بھی بخشش و مغفرت کی نوید سنا دیتی ہے۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی خطا ولغزش اور اپنے گناہ وظلم کے باوجود (اے میرے بندوں) سنتا ہے اور

رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید

اس کی رحمت جب اپنے بندوں پر مہربان ہوتی ہے تو ان کو ایک چھوٹی سی نیکی پر بھی بخشش و مغفرت کی نوید سنا دیتی ہے۔

یہ کلمات کہ (اے اپنی جانوں پر خطاؤں اور گناہوں کی وجہ سے ظلم کرنے والے بندو سنو میری رحمت سے مایوس نہ ہو) تو اپنے مولا کو بھول جانے والے ان کلمات کو سن کر سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہوئے اور اپنے رب کو یاد کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں جھک جاتے ہیں۔ سجدہ ریز ہوجاتے ہیں اور اس کو پیار و محبت سے یاد کرنے لگتے ہیں۔ خطا اور گناہ نے ان کے دلوں کو توڑ دیا تھا یہ شکستہ دل ہوگئے تھے، دل کا ٹوٹنا دل جوڑنے کا سبب بن جاتا ہے اور شکستہ دل اللہ کی بارگاہ میں اس کے کرم کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اس لیے اقبال فرماتے ہیں:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

دنیا ایک امتحان گاہ ہے:

باری تعالیٰ نے اس دنیا کو ہمارے لیے امتحان گاہ بنادیا ہے اور امتحان گاہ وہ ہوتی ہے جہاں نیکی کا بھی ماحول ہو اور بدی کا بھی ہو۔ اگر فقط نیکی کا ماحول ہوتا یا صرف بدی کا ہوتا تو دنیا کبھی بھی امتحان گاہ نہ ہوتی۔ صرف نیکی کا ماحول ہوتو یہ ماحول فرشتوں کا ہوتا ہے جو ہر وقت اللہ رب العزت کی حمد وثنا میں لگے رہتے ہیں اور بدی وہ کر ہی نہیں سکتے اور اگر صرف بدی کا ماحول ہوتا تو یہ شیطانوں کے لیے ہوتا، اس صورت میں بھی دنیا امتحان گاہ نہ ہوتی۔ تو جہاں بیک وقت نیکی کا بھی ماحول ہو اور بدی کا بھی ہو، اس ماحول میں نیکی کا انتخاب کرکے اور بدی کو ترک کرکے فرمانبرداری اختیار کرنا انسان کو اللہ کا بندہ حقیقی بناتی ہے۔ اچھائی کے ماحول میں نیکی پھیلتی ہے اور برائی کے ماحول میں بدی پھیلتی ہے، پس یہ دنیا اس اعتبار سے امتحان گاہ ہے۔ انسان نیکی کا انتخاب کرے تو وہ اس امتحان گاہ میں کامیاب ہے اور اگر انسان بدی کا انتخاب کرے تو وہ اس امتحان گاہ میں ناکام ہے۔ نیکی کا چناؤ کرے تو بندہ رحمٰن ہے اور اگر بدی کو اختیار کرے تو بندہ شیطان ہے۔ یہ دنیا امتحان گاہ اس اعتبار سے بھی ہے کہ ہمیں ہر حال میں بندہ رحمٰن بننا ہے مگر یہ معاملہ بندے کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے اس لیے ارشاد فرمایا: فَالْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس، ۹۱:۸) پھر اس کو اپنی بدکاری سے بچنے اور پرہیزگاری کو اختیار کرنے کی سمجھ عطا کی۔ نیکی اور بدی کا شعور انسان میں ودیعت کردیا گیا ہے، اب اس انسان کی مرضی ہے کہ چاہے تو اپنے لیے نیکی کا انتخاب کرے یا بدی کا چناؤ کرے۔ اگر انسان نیکی کو اپنے لیے منتخب کرے تو یہ اپنی اصل پر ہے اور اگر یہ بدی کو اپنے لیے پسند کرے تو یہ اپنے مقام افضل کو چھوڑ کر مقام اسفل کی طرف جاتا ہے، عظمت کو چھوڑتا ہے اور رزالیت کو اختیار کرتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ . ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ. (التین، ۹۵:۴،۵)

’’بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔ پھر ہم نے اسے پست سے پست تر حالت میں لوٹا دیا‘‘۔

انسان کے لیے ہدایت حیات:

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ. (البلد، ۹۰:۱۰)

’’اور ہم نے تو اسے دونوں راہیں دکھا دی ہیں‘‘۔

جب انسان نیکی کی راہ پر چلتا ہے تو وہ ان آیات کا مصداق بنتا ہے الا الذین امنوا وعملوا الصلحت یعنی وہ ایمان کامل کی حالت میں رہتا ہے اور ہر لمحہ اور ہر لحظہ اعمال صالحہ کی ادائیگی کو اپنی پہچان اور شناخت بناتا ہے۔ اپنے مولا کی بارگاہ میں بے حد و بے حساب اجر و جزاء کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس آیت کا مصداق بنتا ہے فلهم اجر غير ممنون. نیکی

کی راہ پر چلنے والا انبیاء و صالحین کی راہ پر چلنے والا ہوتا ہے۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور خود رسول اللہ ﷺ کی راہ پر چلنے والا ہے۔ یہ خلفائے راشدین ابوبکر وعمر اور عثمان و علیؓ اور دیگر آئمہ وصحابہ اور اسلافِ امت کی راہ پر چلنے والا ہوتا ہے۔ بدی کی راہ پر چلنے والا فرعون و ہامان اور قارون ہوتا ہے۔ نمرود اور یزید ہوتا ہے، اس لیے کیونکہ زندگی کی حقیقت نیکی اور بدی ہے اور زندگی ان ہی دو چیزوں کا نام ہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

انسان کا منصب خلافت کے لیے انتخاب:

انسان کی سرشت میں نیکی اور بدی دونوں قوتیں موجود ہیں۔ انسان بدی کی طرف جلد مائل ہوتا ہے اور نیکی کی طرف تاخیر کے ساتھ راغب ہوتا ہے۔ انسان کو جب خلافت ارضی کا تاج پہنایا گیا تو فرشتوں نے کہا کہ مولا کن کے لیے تو نے اعلان خلافت کیا ہے اور یوں آپ نے ارشاد فرمایا:

انی جاعل فی الارض خلیفة. (البقرہ،۲:۳۰)

میں انسان کو اپنی زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو اس وقت فرشتوں کی نگاہ اس کی سرشت میں موجود برائی کی قوت پر پڑی تو پکار اٹھے:

قالو آ اتجعل من یفسدها فیها ویفسک الدمآء. (البقرہ،۲:۳۰)

انہوں نے عرض کی کیا تو زمین میں کسی ایسے شخص کو نائب بنائے گا جو اس میں فساد انگیزی اور خونریزی کرے گا؟ آج ہم اس زمین پر جتنی بھی خونریزی دیکھ رہے ہیں، جس قدر قتل و غارت گری، دہشت گردی اور فساد انگیزی دیکھ رہے ہیں یہ سارا کچھ انسان اپنے اندر موجود قوت بدی کی بنا پر کر رہا ہے۔ یہ انسان کے اندر قوت بدی ہے جس کا زمانے کے سامنے اظہار ہے اور اس کے اندر دوسری قوت تقویٰ بھی ہے۔ جب وہ اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہے تو انسان سراپا خیر بن جاتا ہے۔ ایک انسان سے سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں انسان مستفید ہوتے ہیں۔ حتی کہ اللہ کے فرشتے بھی ان کے شرف انسانیت پر فخر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو سچا، انسان دوست اور اللہ کا بندہ جانتے ہیں۔ کم از کم ہم ایسے انسان تو بنیں کہ ہم سے سینکڑوں اور ہزاروں ہی مستفید ہونے والے ہوں۔

انسان کے برے عمل میں نفس اور شیطان کا کردار:

انسان کے نیکی اور بدی کی راہ پر چلنے کے اندرونی ذریعے بھی ہیں اور بیرونی عناصر بھی ہیں۔ انسان کی بدی کے اندرونی عناصر میں سب سے بڑا عنصر نفس امارہ ہے، جو ہر وقت انسان کو برائیوں پر اکساتا رہتا ہے۔ ان النفس لامارة بالسوء۔ انسان جب خود کو مکمل طور پر نفس امارہ کا پیروکار بنالیتا ہے تو برائی اس کے وجود سے پھوٹنے لگتی ہے۔ ہر بدی کا منبع و سرچشمہ بن جاتا ہے۔ ہر برا عمل اس کی پہچان بن جاتا ہے اور شیطان بھی ایسے ہی لوگوں کو گمراہ کرنے کا عہد کرتا ہے۔ لاغوینهم اجمعین (ص،۸۲:۳۱) میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔ وہ شیطان چھپ چھپ کر انسان پر حملے کرتا ہے اور اس کے دل میں برے وسوسے ڈالتا ہے۔ یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس کا عمل ہر لحظہ و ہر لحظہ کرتا رہتا ہے۔ شیطان اپنی حملہ گاہ اور مصروف کا مسلسل پیچھا کرتا رہتا ہے اور وہاں وہاں سے انسان کو دیکھتا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ قرآن نے یہ بھی ذکر کردیا ہے کہ شیاطین بطور ہدف کن انسانوں کو اپنا نشانہ بناتے ہیں فرمایا:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ. تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ. (الشعراء، ۲۶: ۲۲۱،۲۲۲)

"کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟۔ وہ ہر جھوٹے (بہتان طراز) گناہگار پر اترا کرتے ہیں"۔

اس کے برعکس وہ لوگ جو اخلاص کے ساتھ دین کی راہ پر ہوتے ہیں، اللہ کی عبادت و ریاضت کرتے ہیں، آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع بجا لاتے ہیں، احکام اسلام کو اپنے نفوس میں نافذ کرتے ہیں اور راہ حق پر ثابت قدمی کا

مظاہرہ کرتے ہیں تو ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

بندگانِ حق پر فرشتوں کا نزول:

ان میں بندگانِ حق پر نزول ملائکہ کے حوالے سے بیان کیا اور ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. (فصلت، ۴۱: ۳۰)

''بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہوگئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

جو لوگ ایمان پر قائم رہتے ہیں اور ہر حال میں ایمان پر استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں، راہ حق میں مصائب و آلام کو برداشت کرتے ہیں، تکلیفوں اور اذیتوں کو جھیلتے ہیں، رکاوٹوں اور آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں اور حق پر ڈٹے رہتے ہیں۔ انتہائی نامناسب حالات میں بھی ہمت نہیں ہارتے، ہر طرح کی سختیاں، تہمتیں اور اذیتیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، سب کچھ لٹا دیتے ہیں مگر رب سے تعلق نہیں توڑتے ان کے پائے استقلال میں کسی قسم کی لغزش نہیں آتی۔ راہ حق میں جان بھی جاتی ہے تو اس پر بھی قائم بالحق رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے نوید و خوشخبری ہے کہ ان کی مدد فرشتے کرتے ہیں اور ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، تتنزل علیھم الملائکۃ کا شرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہے۔

خلاصہ کلام:

ہماری زندگی کی کل حقیقت عمل فجور اور عمل تقویٰ میں مضمر ہے۔ عمل خیر اور عمل شر کا نام زندگی ہے۔ ہماری زندگی میں نیکی بھی ہے اور بدی بھی ہے، ہماری زندگی نیکی اور بدی کی جنگ کا نام ہے، نیکی اور بدی کا انتخاب ہماری زندگی کا امتحان ہے، اس امتحان میں کامیابی نیکی کا انتخاب اور بدی کا ترک کرنا ہے۔ اس لیے قرآن نے ارشاد فرمایا کہ والعصر ان الانسان لفی خسر زمانے کی قسم ہر انسان خسارے میں ہے مگر وہ انسان جو اللہ پر ایمان لانے والا اور نیک عمل کرنے والا مسلمان، فرمانبردار، اطاعت گزار اور شکر گزار بن جائے تو وہ خسارے سے محفوظ رکھ لیا گیا ہے۔ الا الذین امنوا وعملوا الصلحت۔ العصر، ۱۰۳: ۳) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ پورے قرآن میں اپنے بندوں سے صرف دو مطالبے کرتا ہے ایک مطالبہ ایمان اور دوسرا مطالبہ عمل صالح ہے۔ ان دو مطالبوں کو جس انسان نے دل و جان سے مان لیا وہ مسلمان بنا اور خسارے سے محفوظ رہا، جس نے ان دو مطالبوں کو نہ مانا وہ انسان تو رہا مگر سچا مسلمان نہ بن سکا۔ قرآن کی نظر میں مسلمان ہوتا ہی وہی ہے جو اللہ کے حکم کو مانے، مسلمان اللہ کے حکم کے سامنے جھکتا ہے اور اللہ کے حکم کو اپنا عمل بناتا ہے تو تب وہ مسلمان بنتا ہے۔ اس لیے قرآن نے کہا کہ تم عمل صالح اپناؤ تو نجات پانے والے ہو اور اگر عمل شر اختیار کرو تو خود کو تباہ اور ہلاک کرنے والے ہو۔ من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا وما ربک بظلام للعبید۔ (حم السجدہ، ۴۱: ۳۶) جس نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنی ہی ذات کے نفع کے لیے کیا اور جس نے گناہ کیا اور برا عمل کیا تو اس کا وبال بھی اسی کی جان پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ انسان کا آج کا عمل خیر اس کی کل کی جنت ہے اور انسان کا آج کا عمل شر اس کے کل کے دوزخ اور جہنم ہے۔ اس لیے کہ انسان کا عمل ہی نجات اور انعام اور جنت کا باعث ہے اور انسان کا عمل ہی اللہ کے غضب، عذاب اور دوزخ کا باعث ہے۔ یہ سارا موضوع ایک عام فہم اور بڑے ہی سادہ مگر بڑے ہی گہرے اور پر معنی شعر میں یوں سمٹتا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

☆☆☆☆☆

اُسوۂ حضرت عائشہ صدیقہؓ خواتین کیلئے مشعلِ راہ

اُمہات المومنین پوری امت کی خواتین کیلئے رول ماڈل ہیں

خصوصی تحریر: نازیہ عبدالستار

عورت کی اپنی انفرادی حیثیت ہے۔ اس نے زندگی کے مختلف مراحل میں منفرد و یگانہ کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ وہ پہلے بیٹی پھر بیوی اور بعد ازاں ماں کا روپ دھار لیتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عورت کا دوسرا نام حیا ہے۔ اس کے اپنے مسائل اور خانگی زندگی کے تقاضے ہیں جس کی وضاحت وہ کسی عورت کے سامنے ہی کرسکتی ہے۔ عورت ہونے کے ناطے وہ جن مراحل سے گزرتی ہے اس موڑ پر بھرپور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ جس کی روشنی میں وہ بہترین زندگی بسر کرسکے۔ یہ نمونہ صرف ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی مقدس زندگیوں میں ہی ملتا ہے اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی زندگی آج کی عورت کے لیے مینارہ نور ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر کی محافظ:

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور ﷺ سے وابستہ ہر معاملہ پر توجہ دیتی تھیں جیسا کہ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کی تجویز تھی حضرت عائشہؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دی۔ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جب شادی کے بعد کاشانہ نبوی ﷺ میں تشریف لائیں تو انہوں نے اپنے نئے گھر کا جائزہ لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ گھر میں دو جوان لڑکیاں موجود ہیں جن کی شادی ہونا چاہئے لیکن گھریلو حالات مالی طور پر سازگار نہیں تھے، دوسرے قریش کے بیشتر گھرانے مکہ میں رہ گئے تھے جو ابھی تک داخل اسلام نہیں ہوئے تھے اور مدنی ماحول ابھی نیا تھا۔ ان حالات نے بیٹیوں کی شادی میں رکاوٹ ڈالی ہوئی تھی۔

ایک دن آنحضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے بچیوں کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا اور عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! بچیاں اس قابل ہیں کہ ان کی شادی کردی جائے ایک تجویز ہے۔

کیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کیوں نہ سیدہ فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے کردی جائے۔

حضور ﷺ نے سماعت فرمایا تو بہت خوش ہوئے۔

شادی کے تمام انتظامات ماں کی حیثیت سے سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خود کئے جس مکان میں سیدہ فاطمہؓ نے بیاہ کر جانا تھا، اس کی صفائی و لیپائی کی، بستر تیار کیا، تکیے بنائے، چھوہارے دعوت میں پیش کئے، مشک اور کپڑے لٹکانے کے لیے لکڑی کی الگنی بنائی اور فرماتی تھیں:

میں نے فاطمہؓ کے بیاہ سے اچھا کوئی بیاہ نہیں دیکھا۔

سیدہ فاطمہؓ کے بارے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی کئی احادیث ہیں جن سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں مقدس ہستیوں کے مابین کتنا پیار اور محبت تھا اور کس قدر خوشگوار تعلقات تھے۔

چوتھی بیٹی سیدہ ام کلثوم تھیں، ان کی اس وقت عمر ۲۰ سال تھی۔ ان کی بڑی ہمشیرہ سیدہ رقیہؓ جو سیدنا حضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد میں تھیں، ۲ ہجری میں وصال پاچکی تھیں، ایک روز

ام المومنینؓ نے اپنے آقا و مولاﷺ سے عرض کیا:

حضرت عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

کس بارے میں؟ رسول اللہﷺ نے دریافت فرمایا۔ ام کلثوم کی اگر ان سے شادی کردی جائے۔ تجویز نہایت مناسب تھی چنانچہ رشتہ طے پاگیا اور پھر وہ ۳ ہجری میں رخصت ہوکر اپنے خاوند کے پاس تشریف لے گئیں۔

یہ وصف آج کی عورت کے لیے نمونہ ہے شوہر کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر سلجھانے کی کوشش کرے شوہر سے وابستہ ہر رشتے کا احترام کرے اور ہر ممکن حد تک کوشش کرے کہ گھر کا ماحول پرسکون رہے۔

سیدہ عائشہؓ کی حضور نبی اکرمؐ سے کمال محبت وعقیدت:

حضرت عائشہؓ حضور نبی اکرمﷺ سے کمال محبت رکھتی تھیں کبھی بھی وسائل کی کمی کا شکوہ نہ کرتیں۔ ایک دن وہ بیٹھی اپنا نقاب سی رہی تھیں جو پھٹ گیا تھا کہ اسی اثناء میں کسی نے دریافت کیا:

ام المومنینؓ! کیا اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی نہیں فرمادی؟

سنا تو ارشاد فرمایا: چھوڑو ان باتوں کو، وہ نئے کپڑے کا حق دار نہیں جو پرانے کپڑے استعمال نہ کرے۔

پرانے کپڑوں کی عادی ہونے کی وجہ سے سیدہؓ پرانے کپڑے چھوڑنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

آج کی اکثر عورتیں شوہر کے مال کو مال مفت دل بے رحم کی طرح استعمال کرتی ہیں۔ لباس کی کثرت و فراوانی دراصل شوہر کے مال کا بے جا استعمال کا بین ثبوت ہے۔ اس روش کا سد باب کرتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے کہ اللہ کی نعمتوں کا اظہار تو ہو لیکن ضیاع نہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو رسول کریمﷺ سے والہانہ عشق و محبت تھی اور رحمۃ للعالمینﷺ کو بھی دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت ان سے زیادہ انس و محبت تھی۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضور اکرمﷺ کی محبت سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے ہے۔

رسول اللہﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) عرض کیا: مردوں میں سے؟

ارشاد فرمایا: ان کے والد۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو حضور نبی اکرمﷺ ایسی محبت تھی جو چاہتی تھیں، بلا جھجک عرض کردیتی تھیں۔ ایک دن حضورﷺ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تھے اور باہم باتیں کررہے تھے رسول عربیﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں جانتا ہوں کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی خفا ہوجاتی ہو۔

عرض کیا: یا محبوبﷺ! آپ کیسے جانتے ہیں؟

ارشاد فرمایا: جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: لاورب محمد یعنی محمدﷺ کے رب کی قسم اور جب خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو لاورب ابراہیم یعنی ابراہیمؑ کے رب کی قسم۔

یہ سن کر سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہﷺ! آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔

یا حبیب اللہﷺ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپﷺ کی ازواج مطہرات میں سے رکھے۔ آپﷺ نے ارشاد فرمایا:

اگر تم اس مرتبہ کو چاہتی ہو تو کل کے لیے کھانا بچا کے نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگ سکتا ہے، بے کار نہ کرو۔

چنانچہ ان کی ساری زندگی حضور اکرمﷺ کی اس وصیت ونصیحت کی آئینہ دار رہی، کل کے لیے کبھی کھانا بچا کر نہ رکھا اور کپڑا پھٹ جاتا تو سی لیتی تھیں اور اگر ضرورت ہوتی تو پیوند لگا لیتی تھیں۔

سیدہ عائشہؓ کا علم سے شغف:

جس عمر میں ان کا حضور اکرمﷺ سے بیاہ ہوا تھا، وہ سیکھنے کی صلاحیتوں سے بھرپور ہوتی ہے اور ذوق وشوق بھی۔ علوم دینیہ کی تعلیم کا مخصوص وقت نہ تھا۔ علم شریعتﷺ خود گھر میں تھے، شب و روز ان کی محبت میسر تھی۔ رسالت مآبﷺ کی

تعلیم و ارشاد کی محفلیں روزانہ مسجد نبوی میں سجتی تھیں جو حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے بالکل ملحق تھی اس بناء پر آپ ﷺ گھر سے باہر جو لوگوں کو درس دیتے تھے، وہ اس میں شریک ہوتی تھیں اگر کبھی زیادہ فاصلے کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو جب حضور اکرم ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ دوبارہ پوچھ کر تسلی کر لیتی تھیں۔ کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب تشریف لے جاتی تھیں اس کے علاوہ آپ ﷺ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لیے متعین فرما دیا تھا۔

ایک مرتبہ رسول عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا، اللہ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے تو کوئی بھی موت کو پسند نہیں کرتا۔ فرمایا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت وخوشنودی کے انعامات و جنت کا حال سنتا ہے تو اس کا دل اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے لہٰذا وہ بھی اس کے آنے کا مشتاق رہتا ہے۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا:

یا حبیب اللہ ﷺ! نکاح میں عورت کی رضا مندی لازمی ہے لیکن کنواری لڑکیاں شرم سے اظہار نہیں کرتیں۔

ارشاد فرمایا:

اس کی خاموشی ہے اس کی اجازت ہے۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

فداک ابی و امی یا محبوب اللہ ﷺ! اس مسئلہ میں حکمت عطا ہو کہ دوسرے دینی فرائض کی طرح کیا جہاد بھی عورتوں پر واجب ہے؟

ارشاد فرمایا: اے عائشہ ﷺ! عورتوں کے لیے حج ہی جہاد ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا:

کیا کفار و مشرکین کے نیک اعمال کا انہیں آخرت میں کوئی اجر ملے گا؟

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سوال کا حضور ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا:

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بغیر کوئی نیک عمل قابل قبول اور لائق جزا نہیں۔

الغرض اس طرح جب بھی موقع ملتا، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ سے ہر آن اور ہر لحظہ سیکھنے کی سعی جمیلہ فرماتی رہتی تھیں اور حضور ﷺ بھی بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ سمجھاتے تاکہ کسی نوع کا کوئی ابہام و شک نہ رہ جائے۔

علم کا حاصل کرنا ہر مرد و زن پر فرض ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا علم کو مہد سے لے کر لحد تک حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بے شمار اوصاف حمیدہ سے متصف تھیں۔ آپ کی حیات مبارکہ ایک عورت کے لیے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہے اگر آج کی عورت اپنے آپ کو شرم و حیا کے لبادے میں اوڑھتی ہے اور اس کے گھر سے سلیقہ مندی اور کفایت شعاری سے شوہر کے لیے سہولت اور آسانیاں پیدا کرتی ہے تو اس کی عزت پر حرف نہیں آنے دیتی۔ پاک دامن رہتی ہیں۔ ذہانت و معاملہ فہمی کو اپنی عادت بناتی ہے گھر اور گھر کے باہر کے معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھاتی ہے تو وہ شوہر کے یہاں جلد ہی اعلیٰ مقام حاصل کر لیتی ہے۔

عورت کو اپنا گھر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ حالات کا زیر و بم اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دے۔ اگر کوئی اونچ نیچ آ جائے تو شوہر کے ساتھ گزر بسر کرے۔ اگر بیماری یا مالی مشکلات آ بھی جائے تو اس کا جانفشانی سے مقابلہ کرے نہ کہ شوہر کو طعنہ زنی کرنا شروع کر دے۔ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے کیونکہ اللہ کی ذات اپنے بندہ پر انتہائی مہربان ہے۔ مشکل میں ڈال کر بندے کو آزماتی ہے جب بندہ صبر کرتا ہے تو اس کو مزید نوازتا ہے۔ اس کو احسن القوم کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ (ماخوذ از ازواج الرسول امہات المومنین)

☆☆☆☆☆

مذہب۔ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت

انبیاء کی بعثت کا مقصد انسان کی اخلاقی وتمدنی راہنمائی کرنا تھا

ام حبیبہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد و ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث کیے۔ جنکی بعثت کا مقصد انسان کو اس کے دنیا میں بھیجے جانے کے مقصد سے روشناس کروانا تھا۔ پیدائش کے ساتھ انسان نے ارتقائی مراحل طے کرنا شروع کیے جوں جوں وہ ارتقائی منازل طے کرتا چلا گیا اس کی طرز معاشرت میں بھی تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔ پہلے اس نے پتوں کا لباس پہنا، تھوڑا شعور آیا تو چمڑے کا لباس پہننے لگا یہاں تک کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لباس میں جدت آتی چلی گئی یہی حال مذہب کے ساتھ ہوا پہلے اس نے آباء پرستی شروع کی پھر بتوں کی پوجا کرنے لگ گیا پھر علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس نے خدا کو ماننا شروع کیا اسی ارتقائی منازل میں انبیاء کی بعثت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مذہب ہر دور میں انسان کی بنیادی ضرورت رہا ہے کیونکہ اسے زندگی گزارنے کیلئے جن رہنما اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے مذہب ہی دے سکتا ہے یہی وجہ ہے اگر ماضی سے حال تک کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہر انسان کسی نہ کسی مذہب سے متاثر نظر آتا ہے۔ احمد عبداللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

”دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کیلئے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری طرف انفرادی و اجتماعی زندگی کو صحت کی بنیاد پر قائم رکھنے کیلئے اخلاقی وتمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضروریات کو پورا کیا مادی و جسمانی ضروریات کی تسکین کیلئے وسائل کا نہ ختم ہونے والا خزانہ زمین اور آسمان میں ودیعت فرما دیا ہے اور اخلاقی وتمدنی رہنمائی کیلئے انبیاء بھیجے جنہوں نے انسانی زندگی گزارنے کا طریقہ سیکھایا وہ کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کی روحانی آزادی اور عالمگیر اہمیت کے بنیادی اصول ہیں۔

(السدوسی، ۸۵۹۱ء، مذاہب عالم ایک معاشرتی و سیاسی جائزہ ص:۴۳)

ہمارے معاشرے میں چونکہ مطالعہ کا رجحان بہت کم ہو چکا ہے لہٰذا مذاہب کی تاریخ اور ارتقاء سے متعلق بہت کم لوگ معلومات رکھتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں دو قسم کے مذاہب ہیں۔ ایک سامی مذاہب جنہیں الہامی مذاہب بھی کہتے ہیں اور دوسرے غیر سامی مذاہب ہیں۔، سامی مذاہب میں یہودیت ، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں جبکہ غیر سامی مذاہب میں بدھ مت، ہندومت اور زرتشت مت اور سکھ مت، تاوازم، کنفیوشس ازم وغیرہ شامل ہیں۔ یعنی دنیا میں موجود ہر شخص کسی نہ کسی مذہب سے متاثر چلا آرہا ہے چاہے وہ سامی مذاہب ہوں یا غیر سامی مذاہب چونکہ مذہب زندگی کے ہر معاملے میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے اس لئے اس کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکا۔ مگر بدقسمتی سے عصر حاضر میں مذہب سے دوری کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور لوگ (لادینیت) سیکولرازم کی طرف جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی ایک مذہب کے پیروکار بننے کی بجائے جس مذہب

کی جو بات اچھی لگے اپنا لینی چاہیے اس لیے کسی ایک مذہب کا ماننا ضروری نہیں مذہب کے بغیر بھی انسان زندگی بہتر طریقے سے گزار سکتا ہے جبکہ حقیقت اسکے برعکس ہے انسان کو ہمیشہ سے زندگی گزارنے کے رہنما اصول مذہب نے ہی فراہم کیے ہیں۔ بدھ مت، زرتشت ازم یہ مذاہب قبل مسیح سے اپنا وجود رکھتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کی مقبولیت میں کمی واقع ہوئی جسکی وجہ یہ تھی کی وہ زندگی گزارنے کے لئے مکمل شریعت فراہم نہ کر سکے اس دوران انبیاء کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہا دنیا میں اس وقت سامی ادیان کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

سامی مذاہب سے کیا مراد ہے؟:

سامی مذاہب سے متعلق یہ سوال اکثر ذہن میں اُبھرتا ہے کہ سامی کا مطلب کیا ہے ؟اسکی چند تعریفات درج ذیل ہیں:

:''سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں سے پہلے بیٹے تھے ان کے باپ نے مرتے وقت انہیں اپنا جانشین مقرر کیا اور خاص فرائض اس کے سپرد کیے ان کی یہ افضلیت اُن کے اخلاق میں بھی شامل ہوئی، انہی کی اولاد حسن و وجاہت کے معاملے میں بھی ممتاز ہے عربوں کو ہمیشہ سام کی اولاد بتایا جاتا ہے۔'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۷۳،۱۰:۶۱۹-۶۱۸)

اسی طرح سے بائیبل میں درج ہے۔

''نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سِم (سام)، حام اور یافت تھے اور حام کنعان کا بیٹا تھا۔ یہی تینوں نوح کے بیٹے تھے اور ان ہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی۔'' (کتاب پیدائش)

سام کی اولاد سے ہی حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

بائیبل میں حضرت ابراہیم کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

''ابرام بن تارح بن نحور بن سروج بن رعو بن فلج بن عبر بن سلح بن ارفکسد بن سام۔'' (کتاب پیدائش، ۱۱:۲۹-۱۲)

یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے ان کی اولاد سے آگے تین مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام معرض وجود میں آئے۔۔ سامی مذاہب میں سب سے پہلا اور قدیم مذہب یہودیت ہے۔

یہودیت۔ سامی ادیان کا پہلا مذہب:

یہودیت کا لفظ حضرت یعقوب کے بیٹے یہودا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

I۔ یہودیت کی اصطلاح قدیم سلطنت یہودا کے باشندوں یا یہودا بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد یا مذہب یہود پر عامل شخص کیلئے مخصوص ہوتی ہے۔

II۔ عام طور پر اس سے مراد حضرت موسیٰ کی شریعت کو ماننے والے لوگ ہیں مگر چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات فقط اولاد یعقوب تک محدود رہیں۔ اس لیے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کیلئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ(۱۹۸۹ء)، ۳۵۳:۲۳)

قاموس الکتاب جو کہ کتاب مقدس (بائیبل) کا اشاریہ تصور کی جاتی ہے اُس میں یہودا کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

''یہ اس عبرانی قبیلہ کا نام ہے جو یعقوب کے بیٹے یہودا سے شروع ہوا جب یہ قبیلہ ملک کنعان (فلسطین)میں داخل ہوا تو اس نے جنوبی فلسطین میں بیت لحم سمیت بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس قبیلے نے ساؤل بادشاہ اور داود بادشاہ کا ساتھ دیا۔'' (قاموس الکتاب)

''حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست قائم کر لی جو کہ سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی اور پھر اسریہ نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو برباد کیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کا نام و نشان بھی مٹا دیا'' مودودی، (۲۰۰۸ء)، یہودیت قرآن کی روشنی میں ص:۲۳)

اس کے بعد صرف ایک قبیلہ یہودا ہی بچا یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انبیاء کی آمد کا سلسلہ تو حضرت آدم علیہ السلام سے جاری رہا مگر حضرت یعقوب کی اولاد جو بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوے سامی مذاہب کا باقاعدہ آغاز تب ہوا اب درج بالا تعریفوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ

یہودیت کی کوئی ایک معین تعریف نہیں ہے لیکن عام طور پر انہیں شریعت موسوی پر عمل پیرا قوم تصور کیا جاتا ہے۔ لفظ یہودیت سے مراد اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں جن پر تورات نازل ہوئی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہودیت کو عام طور پر بنی اسرائیل کی طرف موسوم کیا جاتا ہے اس ابہام کا زالہ بھی ضروری ہے کیونکہ بنی اسرائیل سے مراد تمام آل یعقوب ہے جس میں ان کے بارہ بیٹوں کی اولادیں شامل ہیں۔ اس لحاظ سے بنی اسرائیل ایک جامع لفظ ہے جبکہ یہودیت کو چونکہ صرف حضرت یعقوب کے بیٹے یہودا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے یہ ایک جزوی نام ہے۔

مسیحیت۔سامی ادیان میں دوسرا مذہب:

مسیحی عام طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو کاروں کو کہا جاتا ہے لیکن ابتداء میں حضرت عیسی علیہ السلام کے پیروکاروں کو حوارییں کہا جاتا تھا قرآن پاک میں ان کیلئے نصاریٰ کا لفظ بھی استعمال ہوا غرض حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں کو مسیحی ،عیسائی ،نصاری کہا جاتا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی تفسیر تبیان القرآن میں لکھتے ہیں۔''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو حواری کہا جاتا ہے۔'' (سعیدی،۲۰۰۶ء،تفسیر تبیان القرآن ۲:۹۶۱)

ان ہی حواریین کو قرآن میں نصاریٰ کا نام دیا گیا

حضرت عیسی علیہ السلام نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا لیکن مسیحیت مذہب کا لفظ کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ ہر نبی کی طرح اپنے بعد آنے والے نبی کی پیشین گوئی بھی کی مگر دیگر انبیاء کی اقوام کی طرح بنی اسرائیل نے انھیں بھی جھٹلایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جدید مسیحیت کا بانی سینٹ پال بنا جو کہ ایک یہودی تھا جسے بائیبل میں پولس رسول کا نام دیا گیا۔

پولس نے مذہب عیسوی میں تبدیلی کی اور غیر قوموں کے لوگوں سے شریعت موسوی کی پابندی اٹھا کر مذہب عیسوی میں داخل کرنا شروع کیا تو اُن نو عیسائیوں کو امتیاز کیلئے مسیحی کہا جانے لگا یہ نام وسیع معنوں میں پہلی بار دوسری صدی عیسوی میں مروج ہوا بنابریں نام کی تبدیلی فکرو خیال کی تبدیلی کا مظہر بھی ہے لہذا پال کے زیر اثر عیسائی مذہب نے جو رنگ اختیار کیا تھا وہ حضرت عیسیٰ کے اپنے خیالات و افکار سے مختلف ہے اسی بنا پرنام کی تبدیلی ضروری خیال کی گئی۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ،۲۰۰۱ء،۲۲:۳۹۲)

یوں عیسائیت کے پیروکاروں کیلئے مسیحی، ناصری، عیسائی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے جس کے پیروکار دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اسلام: سامی ادیان میں آخری مذہب

سامی مذاہب میں تیسرا اور آخری مذہب اسلام ہے جو نبی آخر الزماں حضرت محمدﷺ لے کر آئے چونکہ حضور اکرمﷺ آخری نبی ہیں لہذا آپ کا لایا ہوا دین اسلام بھی آخری الہامی مذہب ہے جو کہ تاقیامت انسان کی رشد و ہدایت کرتا رہے گا اسی طرح خود حضور اکرمﷺ نے فرمایا:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے جسے کسی نے خوب آراستہ و پیراستہ کیا،لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ آکر مکان کو دیکھنے لگے اور اس کی خوبصورت تعمیر سے خوش ہونے لگے سوائے اس ایک اینٹ کی جگہ کہ وہ اس کے علاوہ اس محل میں کوئی کمی نہ دیکھتے پس میں ہی وہ آخری اینٹ رکھنے کی جگہ تھا میری بعثت کیساتھ انبیاء ختم کر دیئے گئے۔

(بخاری، الصحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبین، ۳:۱۳۰۰، رقم: ۳۳۴۱)

غرض انبیاء کی اآمد کا جو سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا وہ حضور اکرمﷺ پر ختم ہوا لہذا اسلام آخری مذہب ہونے کے ناطے سے جامع اور ایک خاص طبقہ یا گروہ کی بجائے تمام عالم کیلئے رشدو ہدایت کا باعث ہے۔۔ ان مذاہب نے ارتقائی سفر کیسے طے کیا یہ ایک الگ بحث ہے ہاں ان تین مذاہب کے تناظر میں یہ بتانا مقصود تھا کہ کوئی بھی دور مذہب کے وجود سے خالی نہیں رہا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سوائے اسلام کے باقی مذاہب اپنی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہو گئے مگر مذہب کا وجود قائم رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

آثارِ قلم

توسل، قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ

بندہ مومن کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے

جو چیزیں قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنیں وہ وسیلہ ہیں

مرتبہ: ماریہ عروج

بندہ مومن کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ایسے اعمال بجا لانے کا پابند ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل ہو۔ اسلام میں مسلمان کو فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ بعض دیگر ایسے مستحسن طریقے اور ذرائع بھی میسر ہیں جس سے قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک پسندیدہ اور آسان طریقہ توسل ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے اختلافات و انتشار کے باعث ایسے غیر متنازع اور خیر خواہی پر مبنی اعمال کی بجا آوری کو بھی مسلکی تعصب اور عناد کی بھینٹ چڑھا کر متنازع مسئلہ بنادیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ افراط و تفریط کا شکار لوگ اسے بدعت سمجھنے لگے ہیں۔

مفکر اسلام شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دیگر ہزاروں موضوعات کے ساتھ ساتھ اس موضوع کو بھی اپنے خطاب اور کتب کا عنوان بنایا ہے۔ زیر بحث کتاب کتاب التوسل میں روایتی تعصب اور عناد سے ہٹ کر توسل کے صحیح مفہوم کو قرآن و حدیث کے ٹھوس دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے سات ابواب ہیں، جن میں تفصیلی دلائل کے ساتھ عمومی اشکالات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کا مختصر خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

ا۔ توسل کا مفہوم:

درحقیقت وسیلہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ (ابن منظور افریقی)

جو چیزیں قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنیں وہ وسیلہ ہیں چاہے ان کا تعلق اعمال سے ہو یا افراد سے کیونکہ قرآن نے وسیلہ کی تلاش کے حکم کو مقید نہیں کیا بلکہ مطلق حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ“۔ (المائدۃ،۵:۳۵)

کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنے میں ہرگز یہ عقیدہ کارفرما نہیں ہوتا کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس کا وسیلہ دیا جارہا ہے وہ دعا کو قبول کرے گا یا (نعوذ باللہ) اللہ کو اس امر کے لیے مجبور کرے گا بلکہ وسیلہ پیش کرتے وقت سائل کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کرکے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد اس کے کسی مقبول و مقرب بندے کا نام بطور وسیلہ پیش کرے گا تو اللہ اپنے اس اطاعت گزار اور مقرب بندے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی حاجت ضروری پوری کرے گا۔

۲۔ توسل کے دلائل از روئے قرآن:

۱۔ پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (النساء، ۴:۶۴)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے‘‘۔

توسل حکم ربانی اور ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں قرب الٰہی اور اس کی بارگاہ سے اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لیے ایک درست جائز اور شرعی طریقہ ہے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت کے لیے بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں آکر ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا۔ یہ آیت کریمہ صرف آپ ﷺ کی حیات ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیات میں تھا۔

۲۔ دوسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسٰٓی اَنْ يَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (الاسراء، ۱۷:۷۹)

’’یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)‘‘۔

مقام محمود سے مراد وہ اعلیٰ اور رفیع مقام ہے جو روز قیامت حضور نبی کریم ﷺ کی شان نبوت کے لیے مختص ہوگا۔ اس مقام پر فائز ہونے کا مقصد امت کی شفاعت فرمانا ہے جو کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ گویا قیامت کے روز تمام لوگ آپ ﷺ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے۔

۳۔ تیسری دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّکَفَّلَهَا زَکَرِيَّا ط کُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَکَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ ط اِنَّ اللهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِيَّا رَبَّهٗ ج قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ. (آل عمران، ۳:۳۷،۳۸)

’’اور اس کی نگہبانی زکریا (علیہ السلام) کے سپرد کر دی۔ جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لیے کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔ اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے‘‘۔

آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریاؑ کا معمول تھا کہ آپ پچھلی رات شب بیداری فرمایا کرتے تھے۔ اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی آپ نماز میں مشغول ہوئے لیکن دعا کے لیے خصوصی طور پر حجرے کا انتخاب کیا گویا محبوب مقام پر کھڑے ہوکر دعا کرنا توسل کا آئینہ دار ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ج قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ ج اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (یوسف، ۱۲:۹۶)

''پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیض یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی''۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ جس چیز کو انبیاء کرام وصلحاء عظام سے نسبت ہوجائے اس سے توسل کرنا توحید کے منافی نہیں ہے کیونکہ قمیض کو بھیجنے والے بھی نبیؑ، اس سے فائدہ اٹھانے والے بھی نبیؑ ہیں اور بیان کرنے والا ماحی شرک یعنی قرآن ہے۔ غیر نبی سے وسیلہ کرنا سنت انبیاء ہے اور سنت انبیاء کوشرک قرار دینا انبیاء سے بغض وعناد اور نادانی وکم فہمی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں دوجلیل القدر انبیاء کی سنت بیان ہورہی ہے۔ اتنی بڑی صریح دلیل کی موجودگی میں کوئی مسلمان عقیدہ توسل سے انکار کی جسارت نہیں کرسکتا۔

۵۔ پانچویں دلیل:

سورۃ الفاتحہ میں ارشاد ہوتا ہے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. (الفاتحه، ۱: ۶)

''اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایا''۔

سورہ فاتحہ ہر نوع کے وسیلہ کی جامع دعا ہے۔ یہ پوری سورۃ گویا سورہ وسیلہ ہے۔ اس میں توحید، رسالت اور شان ولایت سب جمع ہیں۔ لہذا جب نیک لوگوں کی راہ دکھانے کا ذکر ہوا تو ساتھ ہی ان کی نشاندہی کردی گئی اور ان لوگوں کی وجہ سے ہدایت ملنا دلیل توسل ہے۔

۴۔ توسل کے دلائل از روئے حدیث:

۱۔ بیٹیوں کی بہتر پرورش سے توسل:

حضورﷺ کے ارشادات گرامی میں جابجا ہمیں اس چیز کا ثبوت ملتا ہے کہ اپنی بچیوں کی بہتر پرورش اور تعلیم و تربیت ایک ایسا عمل صالحہ ہے کہ اس کے وسیلے سے ماں باپ کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: حضورﷺ نے فرمایا: جو کوئی بیٹیوں کے ذریعے آزمایا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو یہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں۔ (صحیح بخاری)

۲۔ سائلین کا توسل:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے:

رسول اللہﷺ نے فرمایا: جوشخص نماز کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلے اور یہ دعامانگے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے سائلین کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے (نماز کی طرف اٹھنے والے) اپنے ان قدموں کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، بے شک میں نہ کسی برائی کی طرف چل پڑا ہوں نہ تکبر اور غرور سے، نہ دکھاوے اور نہ کسی دنیاوی شہرت کی خاطر نکلا ہوں، میں تو صرف تیری ناراضی سے بچنے کے لیے اور تیری رضا کو حاصل کرنے کے لیے نکلا ہوں۔ پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے۔ (سنن ابن ماجہ)

گویا اللہ کے سائلین کے توسل سے دعا کرنا بھی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

۳۔ضعفائے امت کا توسل:

نیک بندوں کے علاوہ مسافروں، مریضوں اور وہ سب جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمانے کی بات کی ہے ان کا وسیلہ پیش کرنا بھی حضورﷺ کے ارشادگرامی سے ثابت ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کمزور لوگوں کی دعا، نماز اور خلوص کے باعث ہی تو اس امت کی مدد فرماتا ہے۔ (سنن نسائی)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا: مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ بے شک کمزور لوگوں کے سبب ہی تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

گویا ضعیف و نادار لوگوں کے توسل سے باری تعالیٰ امت مسلمہ کو نہ صرف اپنی مدد و نصرت سے نوازتا ہے بلکہ انہیں رزق اور وسائل بھی عطا کرتا ہے۔ لہذا ان کے وسیلہ سے مانگی گئی دعا بھی قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔

۶۔حضور نبی اکرمﷺ سے توسل:

حضور نبی اکرمﷺ کی ذات اقدس سے توسل کا عمل آپﷺ کی تخلیق سے قبل، آپﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور بعد از وصال ہر دور میں جاری و ساری رہا ہے۔

ا۔ولادت سے قبل آپؐ کی ذات سے توسل:

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی کے لیے حضورﷺ کی ذات مبارکہ سے توسل کرنا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ نے توبہ کے لیے ان کلمات توسل کا استعمال کیا: اے اللہ میں تجھ سے محمدﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔

اسی طرح کی ملتی جلتی روایت مولانا اشرف علی تھانوی نے نشرالطیب میں نقل کی ہے۔ چنانچہ ان کلمات استغفار سے جو حضورﷺ کے وسیلے سے ادا ہوئے آپ کی توبہ قبول ہوگئی۔ اسی طرح یہود حضورﷺ کی ولادت سے قبل اپنے حریف مشرکین عرب پر فتح پانے کے لیے آپﷺ کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے۔

۲۔ بعد از وصال حضورؐ سے توسل: جب حضور نبی اکرمﷺ ابھی اس دنیا میں تشریف بھی نہ لائے تھے اور اس وقت اگر وسیلہ جائز تھا تو اب وصال کے بعد وسیلہ ناجائز کیسے ہوسکتا ہے۔ جو آیت کریمہ ظہور ولادت سے قبل آپﷺ سے توسل پر جواز کی دلیل ہے۔ یہی آیت بعد از وصال بھی آپﷺ کے توسل اور وسیلہ کے جائز ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔

۳۔حضورؐ سے حیات ظاہری میں توسل:

قرآن مجید میں صراحتاً اس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے کہ آپﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ پر بے شمار انعامات فرمائے۔ صحابہ کرامؓ نے آپﷺ سے توسل کیا۔ آپ نے ان کو یہ نہیں فرمایا کہ اللہ سے سوال کیا کرو بلکہ آپﷺ نے خود ان کو وسیلہ کی تعلیم دی۔

جیسا کہ حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے۔

> **سورہ فاتحہ ہر نوع کے وسیلہ کی جامع دعا ہے۔ یہ پوری سورۃ گویا سورہ وسیلہ ہے۔ اس میں توحید، رسالت اور شان ولایت سب جمع ہیں۔ لہٰذا جب نیک لوگوں کی راہ دکھانے کا ذکر ہوا تو ساتھ ہی ان کی نشاندہی کردی گئی اور ان لوگوں کی وجہ سے ہدایت ملنا دلیل توسل ہے۔**

حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں اس کو موخر کرتا ہوں اور یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کروں۔ اس نے عرض کیا دعا فرمادیجئے پس آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نفل پڑھ پھر یہ دعا کر: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمدﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدﷺ میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری فرمادے۔ اے اللہ! آپ اپنے نبی کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرمائیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دعا کے کلمات خود حضور نبی اکرمﷺ نے سکھائے ہیں۔ توسل میں فقط آپ کی ذات کو ہی وسیلہ نہیں بنایا جارہا بلکہ اللہ تعالیٰ کی آپﷺ کو عطا کردہ شان رحمت للعالمینی کو بھی وسیلہ بنایا گیا ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توسل حکم ربانی اور ارشادات نبویﷺ کی روشنی میں قرب الٰہی اور اس کی بارگاہ سے اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لیے ایک درست جائز اور شرعی طریقہ ہے۔ بدقسمتی سے آج ہم نے دینی احکام کو بھی اپنی طبیعت اور مسلک کے تابع کردیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جملہ دینی عقائد و اعمال کو افراط و تفریط سے ہٹ کر دین کی حقیقی روح کے ساتھ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

عورت کو تحفظ فراہم کرنے والے قوانین کہاں ہیں؟

ہر سال 5 ہزار سے زائد خواتین گھریلو تشدد کا نشانہ بنتی ہیں

پاکستانی خاتون عدم تحفظ کا شکار کیوں؟ ایک جائزہ

ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ

پاکستان میں 30 مئی 2018ء کو ایک اور حکومت اپنے 5 سال مکمل کر کے فارغ ہوئی۔ اس حکومت کی پانچ سالہ کارکردگی کو مختلف پہلوؤں سے جانچا جاسکتا ہے مثلاً مہنگائی، بے روزگاری کے خاتمے، وسائل کی منصفانہ تقسیم، عام آدمی کی فلاح و بہبود کے حوالے سے کیا اقدامات کئے گئے مگر حال ہی میں ملتان کی بس ہوسٹس مہوش کے قتل نے پاکستانی معاشرے میں خواتین کی حیثیت پر ایک بار پھر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے جس نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا کسی حکمران کی پیش نظر حقیقتاً خواتین کی فلاح و بہبود ہے؟ کیا کسی حکومت نے کبھی ایسے اقدامات کئے کہ ایسے واقعات کی روک تھام کی جاسکے تو جواب میں قوانین تو بنتے نظر آتے ہیں مگر ان پر عمل درآمد نہیں۔ گزشتہ حکومت کی مثال ہی دیکھ لیں 17 جون 2014ء کا دن کس کو یاد نہیں جب 14 لوگوں کو ناحق قتل کیا گیا جن میں دو خواتین شازیہ مرتضیٰ اور تنزیلہ امجد بھی تھیں اب یہاں

ملک کا 52 فیصد طبقہ جو بچوں کی تعلیم و تربیت اور خانگی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیش پیش ہوتا۔ ذہنی، نفسیاتی و جسمانی تشدد کا شکار ہے؟

کس سے انصاف مانگا جاتا جب قاتل خود حکمران تھے کون خواتین پر تشدد کے حوالے سے بنائے گئے قوانین پر عمل کرواتا جب ریاستی عناصر خود ایسے واقعات میں ملوث ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ پانچ سالوں میں خواتین کے قتل، تشدد اور زیادتی کے واقعات میں تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آیا خاص طور پر پنجاب میں ایسے واقعات کی بھرمار نظر آتی ہے۔

معصوم زینب کے قتل پر اگر مجرم قاتل کیفر کردار کو پہنچایا جاتا تو اس کے بعد بھی وہی واقعات رونما نہ ہوتے مگر نام نہاد خادم اعلیٰ نے زینب کیس پر مجرم کو پکڑنے پر اپنے چہیتے افسران کو تمغے تو سجادیئے اور داد تحسین بھی خوب دی کہ بس اب ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا مگر کیا ہوا اگلے دن سے پھر وہی واقعات شروع ہوگئے۔

ایسے واقعات کی مثالیں بھی کم نہیں جہاں خواتین کو تشدد کر کے قتل کیا گیا ہو۔ گزشتہ برس خواتین کو چھریوں کے وار سے زخمی کرنے والا گینگ بھی متحرک رہا مگر مجال ہے جو ہمیں کوئی مجرم سزا پاتا نظر آجائے صرف ایک خبر آتی ہے کہ ملزم گرفتار ہوگیا اب گرفتاری کے بعد سزا ملی یا نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا شاید ہمارے حکمرانوں نے جرم پر گرفتار کرنا ہی حتمی سزا مقرر کر دیا ہے انہیں واقعات کے تسلسل میں حال ہی میں قتل ہونے والی بس ہوسٹس مہوش کا

قتل بھی ہے جو غربت سے تنگ روزگار کے لیے باہر نکلی تو ہمارے معاشرے کے حاکمانہ نظام کے ہتھے چڑھ کر مرگئی کیوں اکیسویں صدی میں بھی عورت محفوظ نہیں؟ کیوں عورت کے حقوق کے لیے کی جانے والی جدوجہد کے باوجود ملک کا 52 فیصد طبقہ جو بچوں کی تعلیم و تربیت اور خانگی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ معاشرتی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیش پیش ہوتا۔ ذہنی، نفسیاتی و جسمانی تشدد کا شکار ہے؟ اسلام نے تو عورت کو تحفظ فراہم کرنے کی مثال قائم کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عربوں کی جاہلانہ رسوم کا خاتمہ کرکے عورت کے لیے محفوظ معاشرے کی بنیاد رکھی مگر اسلام کے نام پر بننے والے ممالک اپنے ہی ملک میں اسلامی قوانین کے مطابق عورت کو تحفظ دینے میں ناکام ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ 5000 خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں جن میں سے کچھ جان کی بازی ہار جاتی ہیں اور کچھ خود موت کو گلے لگالیتی ہیں۔ اسی طرح تیزاب گردی کے واقعات ہیں جس کا شکار بھی خواتین ہوتی ہیں غرض ایسے بہت سے واقعات ہیں جو ہماری نظر سے اکثر و بیشتر گزرتے ہیں مگر یہاں اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ اس حوالے سے قوانین سازی کہاں ہے؟ جو عورت کو تحفظ فراہم کرے اگر قوانین ہیں تو ان پر عملدرآمد کیوں نہیں۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ایسے واقعات کا شکار زیادہ تر خواتین بیرونی امداد پر چلنے والی سماجی تنظیموں کے ہتھے چڑھ کر اسلامی تعلیمات سے منحرف ہورہی ہیں ایسے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا کلیدی کردار ہونا چاہئے اور عورت کے تحفظ کے لیے ایسے قوانین بنانے چاہئیں جو تشدد کتنا ہو تو سزا کیا ہوگی یا تشدد سے ہڈی نظر آئے تو سزا ہوگی جیسے مضحکہ خیز قوانین کی بجائے ایسے قوانین بنائے جو عورت کے لیے تحفظ کے ضامن بن سکیں۔

پاکستان میں سالانہ 5000 خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں جن میں سے کچھ جان کی بازی ہار جاتی ہیں اور کچھ خود موت کو گلے لگالیتی ہیں

معزز قارئین! 25 جولائی کو ایک بار پھر ملک میں عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ ہر سیاسی پارٹی اپنا منشور عوام کے سامنے پیش کررہی ہے مگر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا آنے والے حکمران بھی خواتین کے تحفظ کو لے کر اتنے ہی سنجیدہ ہیں جتنے سابقہ حکمران تھے گو عورت کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا حکمرانوں کو ملک کے 52 فیصد طبقہ کی فلاح و بہبود کے لیے واضح حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے۔ اوپر تو عورت پر تشدد کی صورتحال کو بیان کیا گیا ہے اگر دیگر شعبہ جات بھی دیکھیں تو عورت کی فلاح و بہبود کے لیے ناکافی اقدامات نظر آتے ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ خواتین کی فلاح و بہبود کو آنے والی حکومت ترجیحی بنیادوں پر پیش نظر رکھے۔ عورت کے تحفظ سے متعلق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قانون سازی کی جانی چاہئے اور ایسا نظام بھی وضع کرنا چاہئے جس سے بنائے گئے قوانین پر عملدرآمد کو بھی یقینی بنایا جاسکے۔ یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق حکمرانوں کا اولین فریضہ بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

اظہارِ تعزیت

منہاج القرآن ویمن لیگ کی دیرینہ رفیق محترمہ شمشاد قادری (لودھراں) طویل علالت کے بعد قضائے الٰہی سے وصال پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

شعر اظہارِ خیال کا منظوم ابلاغ ہے

اسلام آیا تو شعراء کے فکرِ وفن کا مقصد بدل گیا

سمیعہ اسلام

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً

بے شک بعض اشعار حکمت ہیں۔

(بخاری ومسلم وترمذی)

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے میرے بحرِ خیالات کا پانی

مجلّہ میں شامل کئے گئے اس حصے کا مقصد مختلف شعراء، انکی شاعری اور شاعری کی مختلف اصناف اورادوار سے قارئین کو متعارف کرانا، ادب کی اس صنف سے آشنائی اور انہیں شاعری کا ایک ذخیرہ فراہم کرنا ہے جو ان کو کے لئے خطاب،تقریر یا بیان وغیرہ میں معاون ثابت ہو۔

تعارف:

شاعری فنونِ لطیفہ میں ایک بلند مرتبہ فن کی حیثیت رکھتی ہے۔شاعری کا مادہ "شعر" ہے اس کے معانی کسی چیز کے جاننے پہچاننے اور واقفیت کے ہیں۔لیکن اصطلاحاً شعر اس کلامِ موزوں (باوزن کلام) کو کہتے ہیں جو قصداً کہا جائے۔ یہ کلام موزوں جذبات اور احساسات کے تابع ہوتا ہے اور کسی واقعہ کو جاننے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باالفاظ دیگر موزوں الفاظ میں حقائق کی تصویر کشی کو شاعری کہتے ہیں۔شعر کا پہلا عنصر وزن اور دوسرا عنصر خیال ہے۔وہ خاص علم ہے جس سے شعر کا وزن اوراس کا موزوں یا نا موزوں ہونا معلوم کیا جاتا ہے،علم العروض کہلاتا ہے۔

شاعری کی تاریخ:

شاعری کی تاریخ کے اوراق کو پلٹ کر دیکھا جائے تو اس کی کڑیاں زمانہ جاہلیت سے جا ملتی ہیں اگرچہ مکمل طور پرزمانے کا تعین نہیں کیا جا سکتا البتہ جب سے تاریخ کے کانوں نے عربی شاعری سنی اس وقت وہ اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی اور فنی اعتبار سے پختہ ہو چکی تھی۔ظہورِ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں شاعری بہت مقبول تھی۔ قدرت نے ان کی زبان اور بیان میں بہت وسعت دی تھی اس لئے ان میں شاعری کی قابلیت سب سے زیادہ تھی۔ ان کا طبعی ماحول بھی شاعرانہ خیال آفرینی کے لیے موزوں تھا چنانچہ ان کی شاعری میں جو وجدانی یا قلبی احساسات کی ترجمانی ملتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری قوم کی شاعری میں نہیں ملتی ۔

عربی شاعری میں فکر اور حکمت کا عنصر سب سے پہلے دور جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمی کے ہاں ملتاہے اس کے علاوہ لبید اور طرفہ یہ تینوں" سبع معلقات" (زمانہ جاہلیت کے سات منتخب قصائد کا مجموعہ) کے شاعر ہیں لیکن قدرت کا کرشمہ کہ عباسی دور کے آخر زمانے میں ایک ایسا

شاعر نمودار ہوتا ہے جس کا نام ابو العلاء معری ہے جو شاعری کو اپنی فکر اور فلسفے کے اظہار کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ مشرق ومغرب کے فلاسفہ جن موضوعات پر زمانہ قدیم سے سوچ بچار کرتے آئیں ہیں ان کو اپنی شاعری کا موضوع بنا تا ہے۔ شاید ہی کوئی مذہبی اور فلسفیانہ موضوع ایسا ہو جس پر اس نے اظہار خیال نہ کیا ہو۔ دور جاہلیت کی شاعری کا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے پھر بھی جو کچھ ہے وہ شاعرانہ جذبہ اور فنی حسن وجمال سے مالا مال ہے۔

جب اسلام آیا تو شاعری کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس سے ہر شعبۂ حیات متاثر ہوا جس میں شاعری بھی شامل ہے۔ پس اب شعراء کے فکر وفن کا مقصد بدل گیا ہے۔ اکثر شعراء کے کلام اسلام کی ہمہ گیر تحریک کی نمائندگی کرتے ہیں۔ حضرت حسّان، کعب بن مالک، کعب بن زہیر، عبد اللہ بن رواحہ، خنساء رضی اللہ عنہم وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں یہ وہ شعراء ہیں جنہوں نے دور جاہلیت اور اسلام دونوں میں عمدہ شاعری کی۔ جن کو شعراء "مخضرمین" (دونوں دور کے عمدہ شعراء) بھی کہتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت کا حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی مدح سرائی میں کہا گیا ایک شعر ملاحظہ ہو:

وأحسنُ منک لم ترَ قطُّ عین
وَأجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النّسَاءُ
خلقتَ مبراءً منْ کلّ عیبٍ
کأنک قدْ خلقتَ کما تشاءُ

(آپ ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے ہرگز نہیں دیکھا اور آپ ﷺ سے زیادہ جمیل کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔ آپ ﷺ ہر عیب سے پاک وصاف پیدا کئے گئے گویا کہ آپ ﷺ اس طرح پیدا کئے گئے جیسا کہ آپ ﷺ نے چاہا۔)

عربی شاعری کی تاریخ کی ورق گردانی کے بعد اب کچھ نظر اردو شاعری پر بھی ڈال لی جائے۔ لشکری زبان اردو کے وجود میں آتے ہی اردو شاعری نے بھی پروان چڑھنا شروع کر دیا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے نزدیک اردو شاعری کا آغاز مذہبی شاعری سے ہوا ہے جو کہ صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے۔ اردو شاعری میں غالب، داغ، فیض احمد فیض، بہادر شاہ ظفر اور اقبال لاہوی وغیرہ جیسے عدیم المثال شعراء سرفہرست ہیں۔

شاعری کے مختلف اجزائے ترکیبی:

شاعری کے مختلف اجزائے ترکیبی ہو سکتے ہیں، شعر، مصرع، مطلع، ردیف، قافیہ، مقطع اور بیت الغزل وغیرہ۔ شعر کی ہر سطر کو مصرع کہتے ہیں، ایک شعر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے پہلے مصرعے کو ''مصرع اولیٰ'' اور دوسرے مصرع کو'' مصرع ثانی'' کہتے ہیں۔ اشعار کے مجموعے کو غزل کہتے ہیں اور غزل میں موجود ہر شعر کا مختلف نام ہوتا ہے جیسا کہ غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں، جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف استعمال ہوتا ہے اور مقطع غزل کے آخری شعر کو کہتے ہیں، جس میں عموماً شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ غزل کے ہر شعر کو بیت کہتے ہیں جبکہ غزل کے سب سے بہترین شعر کو بیت الغزل کہتے ہیں۔

شاعری کی اقسام:

شاعری کی بہت سی اقسام ہیں اور شعراء ہر قسم کی شاعری مختلف ادوار اور مختلف زبانوں میں کرتے آئے ہیں۔ جن میں حمد، نعت گوئی، ہجو گوئی، مدح، منقبت، مثنوی، مناجات، مسدس، نظم، پابند نظم، ثلاثی، قصیدہ، قطع، رباعی، ماہیا، سلام، سہرا، گیت اور تحت اللفظ وغیرہ شامل ہیں۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

گلدستہ

کوئی دولت عقل سے زیادہ نفع بخش نہیں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ

''کوئی شرف تقویٰ سے بڑھ کر نہیں، کوئی شرافت حسن خلق سے بڑی نہیں''

مختصر تعارف: سلطان الہند حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ

مرتبہ
ادیبہ شہزادی

﴿سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ﴾

سلطان الہند حضرت خواجہ سید محمد معین الدین چشتی اجمیری ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں۔ آپ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فریدالدین گنج شکر اور نظام الدین اولیاء جیسے عظیم الشان پیران طریقت کے مرشد ہیں۔ غریبوں کی بندہ پروری کرنے کے عوض عوام نے آپ کو غریب نواز کا لقب دیا جو آج بھی زبان زد عام ہے۔

آپ 14 رجب المرجب 536 ھ بمطابق 1141 عیسوی بروز پیر کو جنوبی ایران کے علاقے سیستان آپ ایران میں خراسان کے نزدیک سنجر نامی گاؤں کے ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئے بچپن میں آپ کا نام حسن تھا۔ آپ کے والد کا نام خواجہ غیاث الدین حسین جو نسبی طور پر امام حسین کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور والدہ کا نام نامی بی بی ماہ نور تھا اور ان کا نسب امام حسن سے جاملتا ہے۔ الغرض آپ کے والد اور والدہ دونوں سید گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور خواجہ معین الدین کا شجرہ عالیہ بارہ واسطوں سے حضرت مولا علیؑ شیر خدا سے جاملتا ہے۔

آپ کی عمر مبارک 15 سال تھی جب آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان لمحات میں آپ کی والدہ نے استقامت کا ثبوت دیا اور آپ کو حوصلے کے ساتھ سمجھایا اور فرمایا:

فرزند! زندگی کے سفر میں ہر مسافر کو تنہائی کی اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے اگر تم ابھی سے اپنی تکلیفوں کا ماتم کرنے بیٹھ گئے تو زندگی کے دشوار گزار راستے کیسے طے کرو گے تمہارے والد کا ایک خواب تھا کہ ان کا بیٹا علم و فضل میں کمال حاصل کرے چنانچہ تمہیں اپنی تمام تر صلاحیتیں تعلیم کے حصول کے لیے ہی صرف کردینی چاہئیں۔ مادر گرامی کی تسلیوں سے حضرت خواجہ معین الدین کی حالت سنبھل گئی اور آپ زیادہ شوق سے علم حاصل کرنے لگے مگر یہ سکون عارضی تھا اور ایک سال بعد ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ والدہ گرامی کی وفات پر ایک باغ اور ایک آٹا پیسنے والی چکی آپ کو ورثے میں ملی۔ اس کے بعد آپ نے باغبانی کا پیشہ اختیار کیا۔ تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ایک دن خواہ معین الدین چشتی اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ادھر سے مشہور بزرگ ابراہیم قندوزی کا گزر ہوا۔ آپ نے ان کو دیکھا تو دوڑتے ہوئے پاس گئے اور ان بزرگ کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور ابراہیم قندوزی اس نوجوان کی عقیدت سے متاثر ہوئے اور دعائیہ کلمات کہہ کر آگے جانے لگے تو آپ نے ان کا دامن تھام لیا اور ان بزرگ یعنی حضرت ابراہیم قندوزی سے پوچھا: اے نوجوان! آپ کیا

چاہتے ہیں؟ خواجہ معین الدین چشتی نے عرض کی کہ آپ چند لمحے اور میرے باغ میں قیام فرمائیے۔ کون جانتا ہے کہ یہ سعادت مجھے دوبارہ نصیب ہوگی کہ نہیں۔ آپ سے انکار نہ ہوسکا اور آپ باغ میں بیٹھ گئے پھر چند لمحوں بعد انگوروں سے بھرے ہوئے دو طباق معین الدین نے ابراہیم قندوزی کے سامنے رکھ دیئے اور خود دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ ابراہیم قندوزی نے اپنے پیرہن میں ہاتھ ڈال کر جیب سے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا نکال کر معین الدین کی طرف بڑھایا اور فرمایا:

''وہ تیری مہمان نوازی تھی یہ فقیر کی دعوت ہے''۔

اس ٹکڑے کا حلق سے نیچے اترنا ہی تھا کہ معین الدین چشتی کی دنیا ہی بدل گئی۔ آپ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کائنات کی ہر شے بے معنی ہے۔ آپ کو تصوف میں اعلیٰ مقام حاصل ہوا اور ہندوستان کو آپ نے اسلام کا قلعہ بنادیا اور آپ کی وفات رجب 633ھ/ 15 مارچ 1236 عیسوی ضلع اجمیر، راجھستان بھارت میں مدفون ہیں۔

(سائرہ مجید۔ لاہور)

اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ

☆ کوئی دولت عقل سے زیادہ نفع بخش نہیں۔
☆ کوئی شرف تقویٰ سے بڑھ کر نہیں۔
☆ کوئی شرافت حسن خلق سے بڑی نہیں۔
☆ کوئی عزت معلم کی عزت کے ہم پایہ نہیں۔
☆ کوئی عبادت فرائض کی بجا آوری کے برابر نہیں۔
☆ کوئی تجارت عمل صالح کے مساوی نہیں۔
☆ کوئی میراث ادب کے ہم پلہ نہیں۔
☆ کوئی شرف علم کے برابر نہیں۔
☆ ایمان کی کوئی حالتِ حیا اور صبر کے ہم درجہ نہیں۔
☆ باہمی مشاورت سے بڑھ کر مضبوط سہارا کوئی نہیں۔
☆ وہم کا کوئی علاج اس کے برابر نہیں کہ آدمی شبہ والی چیز سے منہ موڑ لے۔

شوگر (Diabetes)

شوگر بہت ہی عام بیماری ہوچکی ہے۔ اس کا علاج پرہیز ہے۔ پرہیز سے مریض اس پر بآسانی قابو پاسکتا ہے۔ یہ مرض بچپن میں نہیں ہوتا اکثر یہ مرض 25 یا 30 برس کی عمر کے بعد ہوتا ہے۔ عورتیں مردوں کی نسبت اس مرض میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔ اکثر یہ مرض موروثی بھی ہوتا ہے۔ شیریں اشیاء اور نشاستہ دار غذائیں کثرت سے کھانا اور ورزش نہ کرنا۔ بہت زیادہ دماغی کام کرنا فکروغم زیادہ کرنا۔

علامت مرض

شروع میں مریض کو پیشاب زیادہ آتا ہے اور پیاس زیادہ لگتی ہے۔ منہ خشک رہتا ہے، منہ میں مٹھاس رہتی ہے، سانس سے ایک خاص قسم کی بو آتی ہے۔ بھوک زیادہ لگتی ہے کھانا کھانے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے کہ کچھ نہیں کھایا، مزاج چڑ چڑا ہوجاتا ہے۔ معمولی سی بات پر غصہ آجاتا ہے سر میں چکر آتے ہیں یا درد رہتا ہے۔

جب یہ مرض نوجوانوں کو ہو جن کی عمر 40 سال سے کم ہو تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ بوڑھے لوگوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ جتنا جوان لوگوں کو ہوتا ہے۔

ضروری ہدایات

اس مرض میں غذا کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ شیریں اور نشاستہ دار غذاؤں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مریض کو روٹی کم کھانی چاہئے۔ موٹے آٹے کی روٹی یا جو کی روٹی استعمال کرنی چاہئے۔ مریض کو خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(ڈاکٹر نوشابہ حمید۔ لاہور)

☆☆☆☆☆

تحریک منہاج القرآن کے زیراہتمام شہر اعتکاف 2018ء

اعتکاف روحانی بالیدگی اور رجوع الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے

10 روزہ شہر اعتکاف میں خواتین معتکفین کے معمولات

رپورٹ
نازیہ عبدالستار

اعتکاف ایسی عبادت ہے جس میں انسان ہر چیز سے بے نیاز ہوکر مولا کے قریب ہوتا ہے۔ یہ روحانی بالیدگی حاصل کرنے کا موثر ذریعہ ہے جو اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں میسر آتا ہے جس کا مقصد روح کو طاقتور کرنا اور دنیا کے سارے کام ترک کرکے اللہ کی رضا کے لیے دس دن اس کی بندگی میں بیٹھنا اور روح کو ایسا سنوارنا کہ واپس دنیا میں جائے لیکن دنیا میں نہ کھوئے۔ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے کٹی رہے۔ اگر یہ خلوت مل جائے تو انسان دنیا میں جہاں بھی رہے یہ ساتھ رہتی ہے۔ گویا اعتکاف میں مسلمان اللہ کے لیے دنیا سے فرار اختیار کرکے آتا ہے۔

اسی طرح تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم پر دس روزہ اجتماعی اعتکاف کا اہتمام کیا جاتا ہے یہ حرمین شریفین کے بعد دوسرا بڑا عالمی اجتماع ہے امسال شہر اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مثنوی مولانا روم پر خطابات دیئے جس کا مقصود انسان کا مولا کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا اور نفس کی آلائشوں، غلاظتوں اور گندگیوں کو ندامت کے آنسو سے دھونا تھا۔ تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے شہر اعتکاف ایسا سنہری موقع ہے اس میں مردوں کے ساتھ خواتین کا اعتکاف بھی بھرپور جوش و خروش سے منعقد ہوتا ہے جس میں انتظامیہ کی طرف سے معتکفات کیلئے علمی و روحانی اور اخلاقی و تربیتی معمولات کا باقاعدگی سے اہتمام کیا جاتا ہے۔

معمولات اعتکاف:

روزانہ کے معمولات میں سحری اور نماز فجر کے بعد معتکفات کے لیے وظائف محافل ذکر و نعت کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ صبح ساڑھے نو بجے تک آرام کا وقت دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد بارہ بجے سے روزانہ صلوٰۃ التسبیح بھی باقاعدگی سے پڑھائی جاتی رہی۔

نماز ظہر و عصر کے درمیانی وقت میں خواتین اپنے رہائشی حجروں میں انفرادی طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہیں۔ افطار سے پہلے شام ساڑھے پانچ بجے خواتین کی اجتماعی محفل نعت کا اہتمام ہوتا رہا جس میں انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ خواتین ثناء خوان نعت خوانی کرتی رہیں۔

خطابات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری:

نماز عشاء تراویح کی ادائیگی کے بعد خواتین کے لیے شہر اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ہر شب ہونے والا خطاب تربیت کے لیے اہم ستون تھا جو مردوں کے پنڈال سے بذریعہ ویڈیو سکرین براہ راست دکھایا جاتا تھا۔ ستائیسویں شب کے عالمی روحانی اجتماع میں بھی ملک بھر سے ہزاروں مرد و زن نے شرکت کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے معتکفات کی اعتکاف میں 25 اور 28 کو تشریف لائے اور اپنی قیمتی آراء اور نصیحت سے معتکفات کو نوازا۔ مزید یہ کہ انہوں نے دس روزہ درس مثنوی میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ

”اے بندے اگر تو چاہتا ہے کہ اگر تیرے دل پر

اللہ کے انوار کا نزول ہو اور اس کی تجلیات تیرے دل پر نازل ہوں تو پھر دل کے آئینہ کو زنگ سے پاک کر لے۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی انوار وتجلیات کا ورود نہیں ہوتا وہ دل نفسانی ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ آج ہم گھٹیا سے گھٹیا ماحول میں آ گئے ہیں، جس ماحول میں حسد، بغض، عداوت اور رزائل دنیا ہیں۔ ہمیں اپنے نفس کی اصلاح کرنے کے لیے ان آلائشات سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ خیر اور شر میں حد فاصل قائم کر کے اسے خیر کی طرف لانا ہوگا، اسی میں بندوں کی اصلاح ہے۔

شیخ الاسلام نے کہا کہ انسان کی بشری تخلیق میں پانی استعمال ہوا، پانی کا بہاو اور سیلانی انسان کی طبعیت میں رکھ دیا گیا کہ جس طرف ماحول دیکھا تو اس کی طبعیت اس طرف ہی بہہ گئی۔ اس طرح ہوا اور آگ کی تاثیر بھی انسان کی طبعیت کا حصہ ہے۔ ان تمام خوبیوں میں اصل خوبی اعتدال میں لانا کمال ہے۔ طبائع میں اعتدال ہی روحانی ترقی کا موجب بنتا ہے۔ کئی اولیاء و صوفیا اپنے پہلے دور میں صاحب جلال ہوتے ہیں لیکن جوں جوں وہ روحانی سفر طے کرتے ہیں تو جلال جمال اور پھر اعتدال میں بدل جاتا ہے۔ یہی روحانی ترقی کا اصل راز ہے۔

انہوں نے کہا کہ جب بندے سے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالی اپنی تجلیات کا نزول فرماتا ہے، وہ بندہ پھر اپنے مولا سے قربت کی منازل تک پہنچتا ہے اور پھر بندے کو فیض الٰہی ملتا ہے اور ایک مرحلہ آتا ہے کہ بندے کو کامل کر دیا جاتا ہے۔ کاملیت کے بعد بندے دوبارہ لوٹتا ہے۔ اس لیے جب معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج تھا، جب آپ اوپر جا رہے تھے۔ آنکھ جھپکنے میں انتہائی سرعت کیساتھ آپ نے قاب قوسین تک کے مراحل طے کیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامل کر دیا گیا، تو مولا سے کچھ لے کر دوبارہ واپس پلٹے۔

مولانا روم نے بندے کی روحانی ترقی کی طرف ان مراحل کے طے کرنے کا اشارہ کیا ہے۔ مولانا روم کے نزدیک دس منزلیں ہیں، جب بندہ ترقی کرتا ہے اور پھر کامل و اکمل ہو کر واپس لوٹتا ہے۔

ڈاکٹر غزالہ حسن قادری کا ویمن اعتکاف گاہ کا دورہ

مسز غزالہ حسن قادری نے اعتکاف کے دس روز ویمن اعتکاف گاہ کا دورہ کیا مختلف علاقوں سے تشریف لانے والی خواتین سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ ان کے مسائل بھی سنے اور ان کی اخلاقی وتنظیمی رہنمائی کی۔

ڈاکٹر غزالہ حسن قادری نے خواتین کے اعتکاف کیلئے خصوصی طور پر تیار کیے گئے تمام ہالز کا دورہ کیا اور انتظامات اور سہولیات کا جائزہ لیا، انہوں نے کہا کہ شہر اعتکاف کا حصہ بننے والی خواتین خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے انہیں فہم دین اور نیکیاں سمیٹنے کیلئے وقت نکالنے کی توفیق بخشی، نفسانفسی کے اس عالم میں سب کچھ میسر ہے مگر وقت جیسی دولت ناپید ہے، اللہ کیلئے وقت نکالنا عصر حاضری کی بہت بڑی سعادت ہے۔

محترمہ فضہ حسین قادری کا وزٹ:

محترمہ فضہ حسین قادری نے بھی 10 روز تک ویمن اعتکاف گاہ کا وزٹ کیا اور خواتین سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن کے شہر اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی خطابات سے نواز رہے ہیں جس سے عقیدے کو تقویت ملنے کے ساتھ ساتھ اصلاح احوال کے تقاضے پورے ہورہے ہیں۔ اگر خواتین کی اسلامی طریقے کے مطابق تعلیم وتربیت کے تقاضے پورے ہو جائیں تو پاکستان کو پرامن، خوشحال اسلامی معاشرہ میں تبدیل کرنے کی راہ میں جتنی بھی رکاوٹیں حائل ہیں وہ دور ہو جائینگی کیونکہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے اور اگر ماں اسلامی مزاج اور تربیت کی حامل ہو گی تو اس تربیت کے اثرات وثمرات بچہ بھی سمیٹے گا اور اس کے مثبت اثرات معاشرہ پر بھی مرتب ہونگے۔ انہوں نے کہا کہ تحریک منہاج القرآن علم، محبت، بیداری شعور اسلامی خدمت اور کردار سازی کی عالمگیر تحریک ہے جس کا دائرہ 90 سے زائد ملکوں تک پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اولیائے اللہ اور علمائے حق کی صحبت سے نور باطن اور قلبی سکون میسر آتا ہے۔

حلقات عرفان الھدایہ:

عرفان الھدایہ کے نام سے شہر اعتکاف میں روزانہ معتکفات کے لیے حلقاتِ دروس کا انتظام کیا گیا جس میں اس حلقہ کو مختلف سیشن میں تقسیم کیا گیا۔ قرآن، حدیث،

فقہ، دعوت و تربیتی، رفاقت شامل ہیں۔ اس میں MSM کے لیے علیحدہ سیشن، اور گرلز کالج کی طالبات کے لیے حلقہ سکالرز کے نام سے حلقات قائم کئے گئے تا کہ تمام اعتکاف کو نتیجہ خیز بنایا جاسکے۔

کڈز اعتکاف:

کڈز اعتکاف میں ویمن لیگ کی جانب سے چار سے 12 سال کے بچوں نے شرکت کی جس میں محترمہ ایمن یوسف اور اس کی ٹیم نے بچوں کو اعتکاف کے خوبصورت بنانے کے لیے مختلف سرگرمیاں شامل کیں۔ محترمہ غزالہ باجی اور فضہ باجی نے کڈز اعتکاف کا وزٹ کیا اور بچوں کی سرگرمیاں کی حوصلہ افزائی اور ان کے اعتکاف کو سراہا۔

سوشل میڈیا:

تمام اعتکاف کو سوشل میڈیا کی ٹیم نے Upload کیا لمحہ لمحہ کی خبر سے پوری دنیا کو آگاہ کیا۔

اس سارے عظیم الشان اجتماع کو مختلف کمیٹیز کی صورت میں خوبصورت انداز میں ترتیب دیا گیا۔ جن کی تفصیلات درج ذیل ہے:

مرکزی کمیٹی ویمن اعتکاف 2018ء:

نگران برائے ویمن اعتکاف گاہ: محترمہ فرح ناز

سربراہ ویمن اعتکاف: محترمہ افنان بابر

سیکرٹری: میمونہ شفاعت

تمام ذیلی کمیٹیز کی سربراہان اور سیکرٹریز مرکزی اعتکاف کمیٹی کی ممبران ہوں گی۔

کمیٹی برائے انتظامی امور: ام حبیبہ (سربراہ)

کمیٹی برائے تربیتی تنظیمی امور: سدرہ کرامت (سربراہ)، ممبران: زونل ناظمات 4

کمیٹی برائے تربیتی امور: ارشاد اقبال (سربراہ)، کلثوم طارق (نائب سربراہ)، سیکرٹری

رجسٹریشن کمیٹی: ثمرین یاسین (سربراہ)، سیکرٹری

الاٹمنٹ کمیٹی: آصفہ غفور (سربراہ)، شمع مشتاق (نائب سربراہ)، ثمرین اکرام (سیکرٹری)

کمیٹی برائے حلقہ جات: لبنیٰ مشتاق (سربراہ)

سیکورٹی کمیٹی: فریدہ سجاد (سربراہ)

بلاک ایڈمنسٹریشن کمیٹی: عائشہ شبیر (سربراہ)، بتول مشتاق، پریہا سعید (سیکرٹریز)

کمیٹی برائے وزٹرز: کلثوم طفیل (سربراہ)، سیکرٹری،

میس کمیٹی: فہنیقہ ندیم (سربراہ)

ڈسپلن کمیٹی: نصرت فاطمہ (سربراہ)، سیکرٹری، ممبران 40

میڈیکل کمیٹی: نوشابہ حمید (نگران)، نازیہ عبدالستار (سربراہ)، نعیمہ باسط (سیکرٹری)، ڈاکٹرز 10

سٹالز کمیٹی: کلثوم طفیل (سربراہ)، سعدیہ احمد (سیکرٹری)

سوشل میڈیا کمیٹی: شاکرہ چوہدری (سربراہ)، حلیمہ سعدیہ (سیکرٹری)، ہادیہ ثاقب ہاشمی (ڈپٹی سیکرٹری)

رابطہ و ملاقات کمیٹی: فاطمہ کامران (سربراہ)، سیکرٹری

صفائی کمیٹی: کوثر نیازی (سربراہ)، یاسمین شہزاد (نائب سربراہ)، فاطمہ نذیر (سیکرٹری)، زہرہ اکرم (ڈپٹی سیکرٹری)

کمیٹی برائے امور طالبات: زینب ارشد (سربراہ)، حلیمہ عارف (سیکرٹری)، فائزہ فاروق (ڈپٹی سیکرٹری)

امور اطفال: کلثوم قمر (نگران)، ایمن یوسف (سربراہ)، حسن آرا (نائب سربراہ)، سعدیہ احمد (سیکرٹری)، ہادیہ خان (ڈپٹی سیکرٹری)، ممبران: مریم نواز، فرح ناز، شمظہ لطیف، ممبران: 30

استقبالیہ + الوداعی کمیٹی: فرح ناز (سربراہ)، افنان بابر (سیکرٹری)، ممبران: تمام ٹیم ممبران

سالانہ عالمی روحانی اجتماع کمیٹی برائے بیرونی پنڈال:

آمنہ بتول (سربراہ)، کلثوم طفیل (سیکرٹری)، ممبران لاہور ٹیم

سالانہ عالمی روحانی اجتماع کمیٹی برائے بیرونی پنڈال:

ام حبیبہ اسماعیل (سربراہ)

DFA کمیٹی: ام حبیبہ (سربراہ)

☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا مرکزی ویمن لیگ آفس کا افتتاح

محترمہ ڈاکٹر غزالہ حسن قادری و محترمہ فضہ حسین قادری کی معتکفات کے ساتھ تربیتی نشستیں

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
JULY-2018
LAHORE
Regd CPL No.45

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی
فقہی و قانونی، انقلابی و فکری اور عصری
موضوعات پر 550
سے زائد کتب